



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔۔۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَحِبَاب۔۔۔۔۔

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔۔۔

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپکی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو)

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے ان سب کے۔۔۔

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں۔۔۔۔۔

شکریہ۔۔۔۔۔

خواہر و برادر

از: استراء ناصر

قسط نمبر: 11

"یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہوا کرتے تھے۔" سنہری آنکھوں کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ وہ ماضی کو دوبارہ دیکھ پا رہی ہوں۔

("یہ اس وقت کی بات ہے جب تم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔"

سیاہ آنکھوں والی لڑکی کے چہرے پر استہزاء تھا۔ اس نے اپنے جملے کے آخری دو الفاظ "قریب تھے" خاصے زور لگا کر کہے تھے۔

اس کے سامنے کھڑی سنہری آنکھوں والی لڑکی سیاہ آنکھوں کا طنز بخوبی محسوس کر چکی تھی۔)

”ہمارے درمیان سب کچھ ٹھیک تھا۔ ایک پل کے لیے بھی ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے تھے۔ جو بھی کام کرنا ہوتا تھا ہم ساتھ کرتے تھے۔ ایک دوسرے سے ہم لوگ ناراض ہو ہی نہیں پاتے تھے۔ کوئی بھی ہم دونوں کو دیکھتا تھا تو اسے ہم بہنیں کم دوستیں زیادہ لگتی تھیں۔“ یہ باتیں بتاتے ہوئے اس کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ سج گئی تھی۔ سنہری آنکھوں والی لڑکی اپنی کہانی بتاتے ہوئے ایک پل کے لیے رکی۔

”لیکن پھر!“ مسکراہٹ سمٹ گئی۔

(”حالات تم دونوں کے درمیان تب خراب ہوئے جب میں، نمرہ عمر تم دونوں کی زندگیوں میں آئی۔“

نمرہ کے لہجے میں ایسا فخر تھا جیسے اس نے اپنے ماضی میں دنیا فتح کی ہو۔)

”پھپھو اور ان کے بچے پہلے کراچی میں رہا کرتے تھے۔ ہم دونوں کو تو اس بات کا علم بھی نہیں تھا کہ ہماری کوئی پھپھو بھی ہے۔ جب میں سات سال کی تھی تب مجھے اور عالیہ کو پتہ چلا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ ہماری پھپھو کراچی چھوڑ کر اسلام آباد واپس آ رہی ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے! پھپھو کے خاندان کے ساتھ ایک حادثہ ہوا تھا شاید وہ اسی وجہ سے آ رہے تھے۔“

”کیسا حادثہ؟ کیا عمر انکل کی ڈیٹھ اس وقت ہو گئی تھی؟“ سانولی رنگت والی لڑکی نے درمیان میں سوال داغا۔

"نہیں نہیں! عمر انکل کی ڈیٹھ تو بہت پہلے ہی ہو گئی تھی۔ میرے پاس ابھی وقت نہیں ہے اس حادثے کے بارے میں بتانے کا تو اس لیے ابھی تم اس حادثے کو چھوڑو اور اوپری باتیں سنو۔"

("جب وہ بدترین حادثہ ہماری زندگی میں گزرا اور ہم سب کی ذہنی حالت اس قدر خراب ہو گئی کہ اسے ٹھیک کرنا ناممکن ہی لگنے لگا تو میری ماں نے سوچا کیوں نا وہ واپس اپنے اس بھائی کے پاس چلی جائے جو اس سے نفرت کرنے کے باوجود اس کی ایک کال پر اسے بچانے تو آ سکتا ہے نا! "نمرہ کی مسکراہٹ استہزاء سے تلخ ہو گئی۔)

"مجھے آج بھی اچھے سے وہ دن یاد ہے جب پھپھو اور ان کے بچے پہلی دفعہ ہمارے گھر آئے تھے۔ میں، اماں اور عالیہ ان کے استقبال کے لیے پورچ میں ہی موجود تھے۔ موجود تو تم بھی تھی مگر تم اس وقت اماں کی گود میں تھی اس لیے تمہیں یقیناً کچھ بھی یاد نہیں ہو گا۔"

اور سانولی رنگت والی لڑکی کو واقعی میں یہ بات یاد نہیں تھی۔

"جیسے ہی ان کی گاڑی ہماری پورچ میں رکی تو اماں آگے بڑھیں اور زینب پھپھو کے لیے دروازہ کھولا۔ زینب پھپھو جیسے ہی باہر نکلیں فوراً ہی اماں کے گلے لگ گئیں۔ اس کے بعد ان کا بیٹا شایان نکلا۔ شایان خاصا چڑچڑا اور ناخوش دکھائی دیتا تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ یہاں آنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ مجھ سے اور عالیہ، ہم دونوں سے تھوڑی بڑی عمر کا تھا۔ ہم دونوں کو اسے دیکھ کر مایوسی ہوئی۔ ہمیں لگتا تھا پھپھو کے بچے شاید ہم جتنے ہی ہونگے اور ہم ان کے ساتھ بآسانی دوستی کر لیں گے۔ شایان تو دکھنے سے ہی خاصا سڑیل لگتا تھا۔ اس لیے ہماری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ہم دونوں مایوس ہو کر جانے لگے تھے کہ تبھی گاڑی کی پچھلی طرف کا دروازہ ایک بار پھر کھلا۔ اس بار جو باہر نکلا اسے دیکھ کر ہم دونوں

بہنوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ ہمیں لگا تھا ہمیں دوست بنانے کے لیے ایک شخص مل گیا ہے۔ ہمیں کیا پتہ تھا ہم دوست کے آنے پر نہیں بلکہ آستین کے سانپ کے آنے پر خوش ہو رہے ہیں۔"

سنہری آنکھوں والی لڑکی کے لہجے میں تلخی ہی تلخی تھی۔

(" میں نے تمہیں اور عزاہ کو جب پہلی دفعہ پورچ میں ایک ساتھ کھڑا دیکھا تو مجھے تم دونوں پہلی نظر میں ہی بری لگیں۔ "

سیاہ آنکھوں میں اب نمی بھر رہی تھیں۔۔)

"ہم دونوں اس کے پاس گئے اور اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہم دونوں سے اس وقت بالکل بھی بات نہیں کر رہی تھی۔ ہمیں لگا وہ ہم سے پہلی بار مل رہی ہے اس لیے شاید شرمارہی ہے۔"

(" تم دونوں سے میں بالکل بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی مگر میں تمہارے گھر آئی تھی اس لیے تھوڑی دیر بعد تم دونوں کے سوالوں کے جواب مجبوراً دینے پڑے۔ "

"وہ لوگ ہمارے گھر بس ایک دن ہی رکیں پھر زینب پھپھو اپنے بچوں کو اپنے گھر لے کر چلی گئیں جو انہوں نے اسلام آباد آنے سے پہلے ہی خرید لیا تھا۔ "

(" ایک مہینے بعد میری ماں نے تم لوگوں کے ہی اسکول میں مجھے داخل کروا دیا۔ "

"نمرہ ہماری کلاس میں ہی داخل ہوئی تھی۔ میں نے اور عالیہ نے ہی اس کا تعارف پوری کلاس سے کروایا تھا اور تم جانتی ہو جانی یا نہ وہ پہلے دن کس کے ساتھ بیٹھی تھی؟"

سانولی رنگت والی لڑکی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ سامنے والی کو جواب چاہیے بھی نہیں تھا۔

"وہ عالیہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔" وہ ایک پل کے لیے رکی۔ "ہمیشہ سے میں اور عالیہ ساتھ بیٹھتے آئے تھے۔ اس دن بھی میں عالیہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی مگر نمرہ نے مجھے یہ کہہ کر اٹھا دیا کہ وہ عالیہ کے ساتھ بیٹھنا چاہتی ہے۔"

"آپ کو برا لگا؟"

"بالکل! مجھے برا لگنا ہی چاہیے تھا۔ میں چھوٹی تھی مگر یہ پہلا موقع تھا جب مجھے کوئی اندر سے کہہ رہا تھا کہ عالیہ اور میرے درمیان اب ایک تیسرا آگیا ہے۔"

("ماموں کے گھر جب میں آئی تھی تب بھی اور اسکول میں بھی میں نے یہ دیکھ لیا تھا تم عزاء کے مقابلے میں زیادہ بیوقوف ہو۔ تو بس میں نے سوچ لیا کہ تم ہی میری چچی بنو گی۔ اس دن عزاء کو تمہارے ساتھ سے اٹھا کر خود تمہارے ساتھ بیٹھنا ایک کھلم کھلا اعلان ہی تھا کہ دو محبت کرنے والی بہنوں کے درمیان میں آگئی ہوں۔۔۔")

"شروع کے ایک ہفتے میں ہی عالیہ کا رویہ میرے ساتھ بدلنا شروع ہو گیا۔ پہلے ہم لوگ ہوم ورک ساتھ کرتے تھے پھر وہ اپنا ہوم ورک اپنے کمرے میں کرنے لگ گئی۔ پہلے میں نے اس سے پوچھا تب

تو اس نے کچھ نہیں بتایا اور بات گھما دی مگر ایک دن جب ٹیچر نے اس کی بجائے میرے ہوم ورک کی تعریف کی تو گھر آکر وہ مجھ پر برسنے لگی۔ کہنے لگی کہ میں نے ٹیچر کی نظروں میں مقام اس لیے بنا لیا ہے کیونکہ پہلے میں اس کے ساتھ ہوم ورک کیا کرتی تھی۔ اب میں عالیہ کے ساتھ رہ رہ کر اس کی پڑھائی کی اسٹریٹیجی دیکھ چکی ہوں اور اپنا ذہن لڑا کر اس سے بہتر کرنے لگ گئی ہوں اس لیے میں ٹیچر کی نظروں میں اچھی بن گئی ہوں اور اسے برا بنا دیا ہے۔ اس نے پتہ نہیں اور کیا کیا باتیں کی۔ اس کے لہجے میں پہلی دفعہ میرے لیے نفرت تھی۔ میں اس قدر شک میں آگئی کہ اس کے الزامات کا جواب بھی نہیں دے پائی اور وہ پاگل سمجھ بیٹھی میری چوری پکڑی گئی ہے شاید اسی لیے میں چپ ہوں۔"

("تمہارے دماغ میں عزاء کے لیے زہر بھرنا میرے لیے کوئی اتنا مشکل کام نہیں تھا۔ تمہیں بس میں ایک بات ہی کہتی تھی اور تم اس پر یقین کر بیٹھتی تھی۔ میں نے تو بس اتنا ہی کہا تھا عزاء اور تم ساتھ بیٹھ کر نہ پڑھا کرو ایسا نہ ہو وہ تمہارا کام کاپی کر کے ٹیچر کی نظروں میں اچھی بن جائے۔ تمہارے دل میں اسی وقت شک بیٹھ گیا اور قسمت دیکھو ٹیچر نے بھی کچھ دنوں بعد عزاء کے ہوم ورک کو پوری کلاس میں بیسٹ کہہ کر تمہارے شک کو یقین میں بدل دیا۔"

"باتیں یہی پر نہیں رکی۔ عالیہ کے دل میں یہ باتیں بھی جڑ پکڑنے لگ گئی تھی کہ اماں مجھ سے زیادہ پیار کرتی ہے۔ بابا کا میں جب بھی کوئی کام کرتی ہوں تو وہ بس مجھے ہی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اسے نہیں!

اسے لگنے لگ گیا تھا میں اس کا حق کھا رہی ہوں۔ میں نے اس کے ماں باپ کو اس سے چھین لیا ہے۔ مجھے شروع میں شک ہوا بھی تھا کہ کہیں یہ سب نمرہ تو نہیں اسے سکھا رہی ہے میں نے ایک دن اس کے کمرے میں جا کر یہ بات کی تو۔۔۔"

("وہ میرے کمرے میں مجھے وارن کرنے آئی تھی! "

سیاہ آنکھوں کے سامنے کھڑی سنہری آنکھوں والی لڑکی شاید کسی خواب کے زیر اثر تھی۔ وہ اچانک سے بولی تو سیاہ آنکھوں والی لڑکی کچھ وقت کے لیے خاموش ہوئی۔

"وہ میرے دل سے تمام بدگمانی نکالنے آئی تھی۔ وہ مجھے اپنی صفائی دے رہی تھی مگر میں نے اس کی نہیں سنی۔ باتوں باتوں میں اس نے مجھ سے یہ کہا تھا جب سے تم نمرہ کے ساتھ رہنے لگی ہو مجھے بھولتی جا رہی ہو۔ اس نے بس ایک بات ہی کی تھی مگر میرے جسم میں تو بجلی دوڑ اٹھی۔!"

"عالیہ نے بہت بد تمیزی سے کہا میں نمرہ اور عالیہ کی دوستی سے جلتی ہوں اس لیے میں ان دونوں کی دوستی تڑوا رہی ہوں۔ میں حاسد ہوں۔ میں نے کلاس میں کسی کو دوست نہیں بنایا ہے اس لیے میں نمرہ اور عالیہ کی دوستی کو برداشت نہیں کر پا رہی ہوں۔"

("مجھے اس وقت یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ مجھے عزاء کی بات سننی چاہیے تھی۔ وہ مجھے ایک ریمائنڈر دینے آئی تھی مگر میں نے! میں نے کچھ نہیں سنا۔ میں بہری ہو گئی تھی۔ میری بدگمانی نے میرے کانوں پر غلاف چڑھا دیا تھا۔" وہ دونوں کانوں کو تھامے بے یقینی سے کہہ رہی تھی۔ اس کے پاس اب بس پچھتاوا تھا۔)

"میرے پاس بھی عزت نفس تھی۔ اس کی بار بار دھتکار میں نہیں سہہ سکتی تھی۔ اگر عالیہ مجھ سے تنگ آگئی تھی تو اسے زبردستی محبت یا خون کے رشتے سے جوڑے رکھنا اپنے اور اس کے ساتھ زیادتی تھی۔ اس کے بعد ہم دونوں کے درمیان سے محبت بالکل ختم ہوگئی۔ میں اور وہ ایک دوسرے سے بس لڑتے ہی رہتے تھے۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ ہماری لڑائیاں بھی کم ہونے لگ گئیں۔ ہم دونوں اپنی بدگمانی دلوں میں پالنے لگ گئے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے۔ ان سب کے بعد جو ہوا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

کمرے کی دیواریں سرد ہو گئیں تھیں۔ سیاہ آنکھوں میں استہزاء کے ساتھ نمی تھی جبکہ سنہری آنکھوں میں پچھتاوا تھا۔

"تم نے ہم دونوں کو جدا کر دیا۔ ہم دونوں ایک اچھا وقت ساتھ بتا سکتے تھے۔ تم نے ایسا کیوں کیا نمرہ؟" عالیہ نے رندھی آواز میں اس سے پوچھا۔ اس کی سنہری آنکھیں جواب طلب تھیں۔

"میں نے۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا جو کچھ کیا۔ جو کچھ کیا تم نے کیا۔ تم دونوں ہمیشہ مجھے احساس دلاتے آئے تھے کہ جتنی محبت تم دونوں میں ہے اتنی محبت میرے اور شایان کے درمیان کبھی نہیں ہو سکتی۔ تم دونوں کو بہت غرور تھا نا اپنی محبت پر، دیکھو جس پر تمہارا رشتہ بدگمانی کی نذر ہوا۔ میں نے تو بس چھوٹی چھوٹی بدگمانیوں سے تم دونوں کے درمیان پھوٹ پڑوا دی۔ کیا تمہارے دل میں اپنی بہن کے لیے ذرا سا بھی بھروسہ نہیں تھا؟ اگر ایک رشتہ کسی دوسرے کی ذرا سی بھی نفرت سے ٹوٹ سکتا

ہے نا تو یہ اچھا ہی ہے کہ اسے توڑ دیا جائے۔ "سیاہ آنکھیں اپنے اوپر کوئی بھی الزام لینے سے بری الذمہ تھیں۔

"تم دونوں کے ساتھ جو ہوا بالکل صحیح ہوا۔ اگر زندگی میں پھر کبھی مجھے ایسا کرنے کا دوبارہ موقع ملا تو خوشی خوشی یہ سب دوبارہ کروں گی۔"

عالیہ اور نمرہ ایک دوسرے کے بالکل سامنے کھڑے تھے۔ عالیہ کو نمرہ کی بات صحیح لگ رہی تھی۔ وہ صحیح کہہ رہی تھی نمرہ نے تو کچھ نہیں کیا تھا۔ جو کچھ ہوا وہ عالیہ کے دل میں پنپتے اس چھوٹے سے شک نے کیا جو نمرہ کے آنے سے پہلے بھی شاید موجود تھا۔ نمرہ نے تو بس شک کو پانی دے دے کر تناور درخت کیا تھا۔

کچھ دیر یونہی بے مقصد کھڑے رہنے کے بعد نمرہ خاموشی سے مڑ کر جانے لگ گئی۔

"میرے بابا کیسے ہیں؟" نمرہ جس نے جانے کے لیے کمرے کا دروازہ کھول لیا تھا۔ اس کے ہاتھ ہوا میں معلق ہو گئے۔

"زندہ ہے تمہارا باپ! حالانکہ جتنا ذلیل وہ ہوا ہے اسے زندہ تو رہنا نہیں چاہیے تھا۔" بغیر مڑے نم آواز میں کہتی نمرہ دروازہ سے کمرے سے غائب ہو گئی۔

اب پیچھے عالیہ رہ گئی تھی اور اس کا افسوس!

ہاسٹل کی جانب بڑھو تو اس کے کمرے میں بہت خاموشی تھی۔ جائی یانہ اور عزاہ کچھ پل کے لیے خاموش ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جب عزاہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تو جائی یانہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

"یہاں آنے کا مقصد بس اتنا ہے کہ تم زید سے عالیہ کے شوہر کی تمام تفصیلات نکالو۔ جہاں تک مجھے پتہ چل پایا ہے وہ تو یہ ہے عالیہ کو انہوں نے کسی کچی بستی میں قید کیا ہوا ہے جو بہت پسماندہ ہے لیکن تم جانتی ہو ایسے علاقے بہت سارے ہیں اس لیے ہمیں زید سے معلومات نکلوانی ہوگی۔ ایک دفعہ عالیہ کو ہم نکال لیں پھر نمرہ کا پورا ڈرامہ میں شایان کے سامنے اکیس پوز کر دوں گی۔" عزاہ کے قدم اب باہر کی جانب بڑھ رہے تھے۔

"زید سے تو میں معلومات نکلوا لوں گی مگر آپ مجھے بتائیں شایان بھائی نے آپ کو مارا ہے؟" اس کے اس قدر سیدھے انداز میں بولنے پر عزاہ ایک پل کے لیے گڑبڑا گئی۔

"تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے!" عزاہ نے اس بار قطع تعلق سے کہا۔

جائی یانہ اپنی جگہ پر رک گئی۔ عزاہ بھی اسے یوں کھڑا دیکھ کر رک گئی۔ وہ دونوں ہاسٹل کے صدر دروازے کے عین سامنے تھے۔

"آپ کیوں یہ ظلم برداشت کر رہی ہیں؟" جائی یانہ نے دکھ سے پوچھا۔

"دیکھو مجھے عالیہ کو نمرہ کے چنگل سے نکالنا ہے اور ویسے بھی اگر عالیہ کا معاملہ نہ بھی ہوتا تو بھی میں شایان کے مارنے پر ایسا ہی ری ایکشن دیتی میں شایان سے محبت کرتی ہوں۔ اس نے مجھے پہلی

دفعہ ہی مارا ہے اور وہ بھی اس لیے کیونکہ وہ مجھ سے بدگمان تھا۔ کسی بھی مرد کو جب پتہ چلے گا اس کی بیوی اسے دھوکا دے رہی ہے تو وہ یہی ری ایکشن دیتا ہے بلکہ اس سے بھی شدید! شایان نے تو پھر میرے ساتھ زیادہ برا نہیں کیا ہے۔ میں اس سے تعلق کو جوڑے رکھنا چاہتی ہوں اس لیے اس کی طرف سے تھوڑی بہت زیادتی پر صبر تو میں کر ہی سکتی ہوں۔"

"بجو یہ صبر نہیں ہے۔ یہ ظلم ہے جو آپ خود کے ساتھ کر رہی ہیں۔ اگر اس وقت آپ شایان بھائی کو نہیں چھوڑنا چاہتی ہیں تو بھی آپ کو تھوڑی سی ہمت دکھا کر ان سے بات کرنی پڑے گی ورنہ آپ تو اماں کا بھی برا ورژن بن جائیں گی۔"

"تم ان سب باتوں کو چھوڑ دو جائی یا نہ اور میں نے جو کام دیا ہے اسے کرو۔"

عزہ اب دوبارہ چلنے لگ گئی۔ جائی یا نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش ہو گئی اور اس کے ساتھ قدم ملانے لگ گئی۔

جب عزہ ہاسٹل کے باہر کھڑے ہو کر رکشہ روکنے کے لیے کھڑی ہوئی تو جائی یا نہ بولی۔

"میں بابا سے ملنے ہسپتال آنا چاہتی ہوں۔"

"میں نے تمہیں بتایا ہے ناں وہ ٹھیک ہیں۔" عزہ نہیں چاہتی تھی جائی یا نہ ہسپتال جائے۔

"پھر بھی میں ایک نظر انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔" جائی یا نہ بضد تھی۔

عزہ نے مڑ کر جائی یا نہ کو دیکھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"دیکھو جائی یا نہ! میں تمہیں بابا سے ملنے پر منع نہیں کر رہی ہوں لیکن تم خود بتاؤ تم ہسپتال جب بابا سے ملنے آؤ گی تو سب یہی پوچھیں گے تمہیں کیسے پتہ چلا اور تم لاکھ چھپا لو کسی ناکسی کو مجھ پر شک ہو گا ہی اور ابھی نمبرہ تمہیں بالکل بھلائے ہوئے ہے اگر تم دوبارہ منظر عام پر آگئی تو ایک بار پھر وہ لوگ تمہارے خلاف سازشیں کرنا شروع کر دیں گے۔ عالیہ کو میں نہیں نکال سکتی کیونکہ میں نمبرہ کی نظروں کے بالکل سامنے رہتی ہوں مگر تم!"

وہ ایک پل کے لیے ٹھہری۔

"تم اسے باسانی نکال سکتی ہو۔ تمہارے اوپر ان کی اتنی نگرانی نہیں ہے۔"

جائی یا نہ نے سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔

اسی وقت رکشہ عزاہ کے سامنے رک گیا۔ عزاہ نے چہرے کا رخ موڑ کر رکشے والے کی جانب کر لیا اور اسے ہسپتال کا ایڈریس سمجھانے لگ گئی۔

سورج اب پوری رفتار سے صبح کی انتہا تک پہنچ کر اب زوال کی جانب رواں دواں تھا۔

یہ منظر ایک اسکول کے گراؤنڈ کا ہے۔ موسم سرما کی دوپہر میں سورج کی دھوپ انسانی جسم کے لیے راحت کا سامان لیے ہوئے تھی۔

اس گراؤنڈ کے بالکل اختتام اور اسکول کے گیٹ کے بالکل پاس ایک عورت گود میں بچی لیے کھڑی ہوئی تھی۔ اس عورت نے کریم کلر کی پرنٹڈ لینن کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے کندھوں پر شال بھی ڈالی ہوئی تھی جو شدید سردی سے بچاؤ کا کام کر رہی تھی۔

گود میں موجود بچی نے بھی موسم کے حساب سے گرم کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ وہ بچی کبھی اپنی ماں کے چہرے پر ہاتھ مار رہی تھی تو کبھی اپنی ٹانگیں ہلا رہی تھی۔

ماں بچی کی حرکتوں سے بے نیاز گراؤنڈ کو دیکھ رہی تھی جس میں اس وقت اکا دکا بچے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ عورت نے اپنے کلائی میں جکڑی گھڑی کو دیکھا جو ڈیڑھ بج رہی تھی۔

عورت نے وقت دیکھنے کے بعد ایک گہری سانس خارج کی۔ اسی وقت زور دار گھنٹی بجی جو سننے والے کے کانوں میں بری طرح خلل ڈال رہی تھی۔ اس کے اگلے ہی پل بچوں کا شور اٹھا اور وہ گراؤنڈ جس میں بچے نہ ہونے کے برابر تھے اب ہر عمر کا بچہ وہاں پر دکھائی دے رہا تھا۔

عورت ان ہی بچوں میں سے ایک بچے کو تلاش کرنے لگ گئی۔ کچھ دیر بعد اس کی نظر ایک بچے پر پڑی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

وہ بچہ دور سے ہاتھ ہلاتا ہوا اپنی ماں کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جب بچہ ماں کے بالکل پاس آگیا تو ماں گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گئی اور ایک ہاتھ سامنے پھیلا لیا۔ بچہ بھاگتا ہوا ماں کے سینے سے چمٹ گیا۔

"کیسا گیا آج کا دن شایان؟" زینب نے شایان کو الگ کرتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھا!" شایان نے ہنستے ہوئے کہا۔ زینب نے ایک پل کے لیے اپنے بیٹے کے چہرے کو دیکھا۔ بچپن کی معصومیت سے بھرپور یہ چہرہ ہر ایک کو بہت پیارا لگتا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ایک الگ ہی جوش اور چمک دکھائی دے رہی تھی۔ زینب کھڑی ہو گئی اور شایان کے کندھے سے بیگ اتروا کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

وہ تینوں اسکول سے باہر نکل آئے۔ شایان اپنے آج کے دن کا پورا احوال سنا رہا تھا جبکہ زینب خاموش مسکراہٹ کے ساتھ سب کچھ سنے جا رہی تھی۔

اسکول سے بس کچھ ہی دور وہ تینوں سفید رنگ کی چھوٹی سی کار کے پاس آگئے زینب نے کار کا لاک کھولا اور پیچھے کی سیٹ پر نمبرہ کو بیلٹ پہنا کر انہوں نے بٹھا دیا اور پھر وہ آگے ڈائریونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ شایان کب کا فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

زینب نے کار کا انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آہستہ رفتار میں آگے بڑھا دی۔

وہ لوگ گھر کی جانب ہی جا رہے تھے جب زینب کے موبائل پر کال آئی۔ سڑک پر نظر جمائے زینب نے کال اٹینڈ کر لی اور ایک ہاتھ سے ڈرائیو کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے موبائل کو کان پر لے گئی۔

"اسلام علیکم! زینب بات کر رہی ہوں۔" اب اس کا انداز بالکل پروفیشنل ہو گیا تھا۔

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ اپنے ایونٹس کی ڈیٹیلز مجھے سینڈ کر دیں۔ ڈیٹیلز دیکھنے کے بعد ہی میں اپنے چار جز آپ کو بتا پاؤں گی۔" شایان اپنی ماں کو بالکل خاموشی سے بات کرتا دیکھ رہا تھا۔

زینب عمر کی موت کے بعد سے ایک پروفیشنل فوٹو گرافر بن گئی تھی۔ وہ شادی بیاہ اور اسی قسم کے فیملی فنکشن کور کرتی تھی۔

عمر کی موت کے بعد سے اس کا عمر اور اپنے دونوں کے خاندان سے تعلق ٹوٹ چکا تھا۔ سب لوگ اس کو خود سر کہہ کر برا بھلا کہتے تھے مگر زینب جانتی تھی یہ کوئی خود سری نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بھی کیا اپنے بچوں کے لیے کیا۔ عمر کے بھائی کی اصلیت اس نے عدت کے دوران ہی دیکھ لی تھی اور اپنے بھائی کے گھر پناہ لینا بچوں کی زندگی تباہ کرنے کے مترادف تھا۔

اس نے تھوڑی سی ہٹ دھرمی دکھا کر یہاں رکنے کا جو فیصلہ کیا تھا ان دو سالوں نے اسے بہت اچھا ثابت کیا تھا۔ شایان اور نمرہ ابھی بہت چھوٹے تھے اس لیے باپ کی کمی کو وہ اتنا محسوس نہیں کر پاتے تھے۔ بڑے ہونے کے بعد انہیں عادت ہو ہی جانی تھی۔

اس کی جاب سے اس کا گزر بسر بہت اچھا ہوتا تھا۔ اس نے کچھ مہینے پہلے ہی ایک سیکنڈ ہینڈ پرانے ماڈل کی چھوٹی سی کار بھی خرید لی تھی۔ زندگی کی ڈگر معمول کے مطابق آگئی تھی۔

اشفاق کے گھر کی اگر اسے کچھ خبر تھی تو وہ بس اتنی ہی تھی کہ کچھ عرصہ بے اولاد رہنے کے بعد اب اشفاق کی دو بیٹیاں ہو گئیں تھیں۔ ایک نمرہ سے کچھ مہینے بڑی تھی تو دوسری نمرہ سے کچھ مہینے چھوٹی تھی۔ اشفاق کی دونوں بیٹیوں کے درمیان بس ایک سال کا ہی فرق تھا اور بس !

اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتی تھی اور نہ ہی جاننا چاہتی تھی۔ اس کے لیے اس کے بچے ہی بہت تھے۔ وہ ان کے ساتھ ہی ہنسی خوشی زندگی گزار رہی تھی۔

زینب کی زندگی میں ٹھہراؤ آگیا تھا لیکن ٹھہراؤ زیادہ عرصے کے نہیں ہوتے ہیں۔ بہت جلد زندگی ایسے موڑ پر مڑتی ہے کہ ایک پل کو منزل لاپتہ ہو جاتی ہے۔

ایسا ہی ایک موڑ زینب کی زندگی میں آنا باقی تھا جو زینب کے ساتھ ساتھ اس کے بچوں کو بھی اندھیرے کنویں میں گرا دینے والا تھا۔ وہ دونوں بچے اپنی زندگی اسی چوٹ پر گزار دینے والے تھے جو وقت نے انہیں چھوٹی عمر میں دینی تھی۔

"امی جان! امی جان!"

نمرہ گھر کی راہ داریوں سے گزرتی ایک ایک کمرے میں جھانک رہی تھی۔ اسے مسز جہانگیر کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ نمرہ جب اس گھر میں آئی تھی تو سیدھا عالیہ کے کمرے میں گھس گئی تھی۔ وہ اب واپس جانے والی تھی مگر مسز جہانگیر سے ملے بغیر تو وہ نہیں جاسکتی تھی ناں!

"امی جان!"

"ادھر ہوں!" اس بار نمرہ کی صداؤں کا جواب آیا تھا۔ نمرہ نے آواز کا تعاقب کیا تو وہ دوسری منزل کے بالکل کونے میں بنے کمرے کی طرف سے آئی تھی۔ نمرہ سیدھا کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی اس نے ایک زور دار چھینک ماری۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا تو وہ اس وقت ایک اسٹور روم میں تھی۔ ادھر جگہ جگہ سامان پڑا تھا مگر مسز جہانگیر اسے وہاں دکھائی نہیں دی۔

"امی جان!" اس بار نمرہ کی آواز کافی دھیمی اور محتاط سنائی دی تھی۔

"آجاؤ نمرہ!" آواز اسے بڑے بڑے ڈبوں کے پیچھے سے آئی تھی۔ نمرہ اپنے بیگ کے اسٹریپ پر دونوں ہاتھ جمائے قدم قدم آگے بڑھی تو اسے مسز جہانگیر ایک پرانی الماری کو بند کرتی دکھائی دیں۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہے امی جان؟" نمرہ نے ان سے پوچھا۔

"کچھ نہیں بس کچھ فالتو سامان یہاں رکھنا تھا۔" مسز جہانگیر نے الماری پر تالا لگاتے ہوئے لا پروا انداز میں کہا۔

"تو یہ آپ ملازموں کو کہہ دیتیں! یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی ویسے بھی آریان نے مجھے آپ کی طبیعت کا بتایا تھا! اب آپ ٹھیک ہیں؟" آخری بات نمرہ نے کافی فکر مند لہجے سے پوچھی۔

"ہاں ٹھیک ہوں!" مسز جہانگیر نے نمرہ کی باتوں پر مختصر سا جواب دیا۔

"چلو باہر چلتے ہیں۔" مسز جہانگیر نے کہا اور آگے بڑھ گئیں۔ نمرہ بھی ان کے پیچھے ان کے قدموں کی تقلید کرنا چاہتی تھی لیکن تبھی اسے ایک ادھ کھلے صندوق میں سے ایک چیز چمکتی دکھائی دی۔

اس کے قدم بے اختیار صندوق کی طرف بڑھیں۔ اس نے صندوق سے ہاتھ مار کر وہ چیز نکالی تو وہ ایک فوٹو فریم تھا۔ اس پر تصویر بھی لگی ہوئی تھی۔

فوٹو کو دیکھتے ہی اس نے مسز جہانگیر کو آواز دی۔

"امی جان!"

"ہاں!" مسز جہانگیر نے جب مڑ کر اسے دیکھا تو یکدم ان کے چہرے کے تاثرات تن گئے۔ وہ جلدی سے نمرہ کے پاس آئی اور تصویر دیکھی۔ تصویر دیکھ کر انہوں نے سکھ کا سانس بھرا۔

"یہ آپ اور ماما ہیں نا؟" نمرہ کی نگاہیں ابھی تک تصویر پر تھی۔ وہ مسز جہانگیر کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے بالکل انجان تھی۔

تصویر میں اگر جھانکو تو دو لڑکیاں سفید وردی میں ملبوس گھاس کے میدان پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ دونوں کی نگاہیں کیمرے کی جانب تھیں۔ پہلی لڑکی نے ساتھ بیٹھی سیاہ آنکھوں والی لڑکی کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا جبکہ سیاہ آنکھوں والی لڑکی نے اپنی دو انگلیوں سے وکٹری کا وی بنایا ہوا تھا۔

"ہاں! یہ ہم دونوں کی ہی ہے۔" مسز جہانگیر نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ ان کی نگاہیں بھلے ہی تصویر پر تھی مگر ایسا لگتا تھا وہ ماضی دیکھ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد جب انہوں نے خود کو سنبھال لیا تو نرمی سے نمرہ کے ہاتھ سے تصویر کھینچی۔

"چلو باہر چلتے ہیں۔" انہوں نے فوٹو فریم صندوق کے اندر پھینکنے والے انداز میں ڈالا اور باہر چلی گئیں۔ نمرہ نے ایک نظر صندوق پر ڈالی اور پھر وہ بھی خاموشی سے باہر چلی گئی۔

ہسپتال کی راہداریوں کو پار کرتے ہوئے آخر کار اسے اپنا مطلوبہ کمرہ مل ہی گیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو اسے زینب صوفے پر لیٹی آرام کرتی دکھائی دی۔ زینب نے جب دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو ہڑبڑاتی

ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی لیکن جب عزاء کو دیکھا تو ان کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ آرام سے صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

"کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی، اتنی لیٹ کیسے ہو گئی؟" پھپھو نے بہت ہلکے پھلکے لہجے میں پوچھا لیکن پھر بھی عزاء کے دل کی بیٹ مس کر گئی۔

"وہ گاڑی کا ٹائر پنچر ہو گیا تھا۔ ٹیکسی منگوائی تو وہ بھی بیچ راستے میں خراب ہو گئی۔ پہلے تو ٹیکسی ڈرائیور خود ہی اپنی کاروائی ڈالتا رہا لیکن جب اسے پتہ چل گیا یہ اس کے بس کا کام نہیں ہے تو وہ مجھے وہی چھوڑ کر اپنی ٹیکسی لے کر چلا گیا۔ بڑی مشکل سے دوسری ٹیکسی ملی۔"

عزاء نے بہت ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔ وہ قدم قدم چلتی کمرے کے عین وسط میں رکھے بیڈ کے پاس آئی جس پر اشفاق لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

"ڈاکٹر ان کو دوائی دے کر گئے ہیں۔ اسی لیے گہری نیند سو رہے ہیں۔ بھائی جس ذہنی تناؤ سے گزر رہے ہیں ڈاکٹر نے کہا ہے ابھی نیند ہی ان کے لیے بہتر ہے۔" زینب نے اس کے پوچھنے سے پہلے ہی ساری بات بتا دی۔

اشفاق کو ہوش کل ہی آ گیا تھا مگر کاروبار ہاتھ سے جانے کا دکھ اور آفس سے اتنی بے عزتی سے نکالے جانے کا صدمہ انہیں بھول نہیں پا رہا تھا۔ وہ اگر ہوش میں ہوتے تو کسی کو بھی کمرے میں رکنے نہیں دے رہے تھے۔ انہیں لگ رہا تھا سب یہاں ان کی بے بسی کا تماشا دیکھنے آئے ہیں۔ وہ اس

وقت جس ذہنی حالت سے گزر رہے تھے اسی کے پیش نظر سب ان سے بات کرنے میں کترارہے تھے۔

"اماں کہاں ہے؟" عزاہ اب زینب کے ساتھ آکر ہی بیٹھ گئی تھی۔

"گھر گئی ہے تمہارے بابا اور ہمارے لیے کھانا لینے۔"

"اچھا!" عزاہ اب بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ بات کرنے کے لیے سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو، جائی یانہ؟"

سنگل صوفے پر بیٹھی نائلہ بہت غور سے سامنے بیٹھی اپنی دوست کو دیکھ رہی تھی جو بظاہر دو بچوں کو پڑھاتی دکھائی دے رہی تھی۔

"ہاں مجھے کیا ہونا ہے؟" جائی یانہ نے مصروف لہجے میں کہا۔ اس کی نظر اپنی گود میں رکھی کتاب پر تھی جب کہ اس کے ساتھ بیٹھے دونوں بچے پینسل سے نوٹ بک پر کچھ لکھ رہے تھے۔ دونوں ہی لڑکے تھے۔ ایک کی عمر دس سال جبکہ دوسرے کی عمر بارہ سال تھی۔ ان دونوں بچوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نائلہ نے دوبارہ جائی یانہ سے سوال کیا۔

"تمہیں کچھ تو ہوا ہے، آج تم خاصی پریشان دکھائی دے رہی ہو۔" نائلہ خاصی باریک بینی سے جائی یانہ کا مطالعہ کر رہی تھی۔

"ہاں پریشان تو میں ہوں۔" جائی یانہ نے اس کی بات کی تصدیق کر دی۔

"کیوں؟"

"وہ میں ابھی تمہیں نہیں بتا سکتی نائلہ۔ آئی ہوپ تم مجھے سمجھو گی۔" جائی یانہ نے اب کی بار نظریں اٹھا کر نائلہ کو دیکھا۔

"تم فکر نہ کرو۔ تمہیں جب سہولت ہو بتا دینا۔"

"شکریہ!"

اس کے بعد نائلہ نے بات بدل دی۔

"تم اور زید آج یونیورسٹی کیوں نہیں آئے؟"

"زید کو تو اس کے دوکان کے مالک نے بلا لیا ہے۔ اس کی چھٹیاں اب ختم ہو گئی ہے اور میں اس لیے نہیں آ پائی کیونکہ عزاہ بجو ملنے آئی تھیں۔" بات بتاتے ہوئے وہ اپنی پوری توجہ کتاب پر لکھے الفاظ پر دینا چاہتی تھی۔

"اچھا! تمہاری بہن یونیورسٹی بھی آئی تھی کچھ دنوں پہلے، میں چاہتی تھی تمہیں بتا دوں مگر انہوں نے منع کر دیا۔ انہوں نے کہا پہلے وہ خود تم سے مل کر بات کرنا چاہتی ہیں۔ جب وہ تم سے مل لیں گی اس کے بعد میں یہ بات تمہیں بتا سکتی ہوں۔"

"ہنہہہ!" کے نائلہ کی اتنی لمبی وضاحت پر جائی یانہ نے ہنکارا بھرا۔

اس سے پہلے نائلہ کچھ اور کہہ پاتی، کمرے سے باہر ایک زنانہ آواز کمرے میں بیٹھے تمام نفوس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"نائلہ!"

"آتی ہوں، بھابھی!" کہہ کر نائلہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

پیچھے جائی یا نہ کتاب پر نظریں جمائے بظاہر اپنا دھیان کتاب پر ہی دکھا رہی تھی لیکن نہیں! کتاب کے ساتھ ساتھ اس کا دماغ ہزاروں باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ پھر یکدم اس نے ایک فیصلہ لیا۔ اپنا موبائل بیگ میں سے نکال کر اس نے جلدی سے اس کی اسکرین پر انگلیاں چلانی شروع کر دی۔ اس کے بعد موبائل اپنے کانوں تک لے گئی۔ دو تین سیکنڈ بعد ایک مردانہ آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"خیریت، اس وقت کال کی؟"

"ہاں پوچھنا تھا دوکان کے بعد تم مصروف تو نہیں ہو نا؟"

"نہیں، میں بالکل فارغ ہوں۔ ویسے آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"پرفیکٹ، رات کو تم مجھ سے مل سکتے ہو؟"

"جی، اگر زیادہ ضروری بات کرنی ہے تو ٹیوشن سینٹر کے بعد جب میں آپ کو لینے آ۔۔۔"

"زید تم دکان پر ہی رہنا۔ مجھے لینے مت آنا۔ تم بھلے مجھے یونیورسٹی چھوڑ دیا کرو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر تم یوں بار بار کام کے دوران مجھے پک اینڈ ڈراپ کیا کرو گے تو یقیناً تمہارے مالک کو اعتراض ہوگا۔ پلیز میری بات مان جاؤ۔"

"لیکن!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ باقی باتیں ہم ساڑھے آٹھ بجے کریں گے جب تم مجھے ہاسٹل سے لینے آؤ گے۔

خدا حافظ!"

یہ کہہ کر جائی یانہ نے کال کاٹ دی اور موبائل بیگ میں رکھ دیا۔ ابھی وہ مزید کچھ کرتی اس سے پہلے ہی اسے کسی نے بلایا۔

"مس جائی یانہ!" بڑے لڑکے نے جائی یانہ کو بلایا۔

"جی؟" جائی یانہ نے اس سے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہ اس سوال کا کیا حل ہے، ذرا آپ سمجھائیے گا۔" اس نے نوٹ بک پر ایک پریشان نگاہ ڈالی تھی۔

"ادھر دکھاؤ۔" جائی یانہ نے ہاتھ بڑھا کر اس سے پینسل اور نوٹ بک مانگی۔ اس نے اسے نوٹ بک

دے دی۔

اب وہ دونوں سوال کو حل کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

سورج کا سفر کہاں تک پہنچا تھا دیواروں میں قید اس شخص کو کوئی اندازہ نہیں تھا۔ کمرے کی دیواریں اپنے قیدی کو زمین پر بے بسی سے بیٹھا دیکھ رہی تھیں۔ سنہری آنکھوں والی اس قیدی کے آنسو لکیر کی مانند بہے جا رہے تھے۔ کیا کچھ نہیں تھا ان آنسوؤں میں!

دکھ، رنجش، دھوکا، ملال، پچھتاوا اور ہر وہ جذبہ جو بندے کو اداس کرنے کے لیے بنایا گیا ہو۔

اس نے ساری عمر ایک غیر کو اپنی سگی بہن پر فوقیت دی اور اس کو آخر میں کیا ملا؟ کچھ بھی تو نہیں!

اس کے دل میں ان چھوٹی چھوٹی بدگمانیوں سے نفرت کی ایسی دیوار بنا دی گئی تھی کہ اس کے لیے دوسری پار جھانکنا بھی مشکل تھا۔ شاید اتنا بھی مشکل نہ ہوتا اگر وہ جھانکنے کی کوشش کرتی!

کسی رشتے سے بدظن یا اس کے ٹوٹنے میں ہر دفعہ کوئی بڑی وجہ نہیں ہوتی ہے۔ بعض اوقات نفرت قطرہ قطرہ کسی کے انسان کے دل میں گھر کرتی ہے۔ ایک چھوٹی سی بات جو بظاہر معمولی دکھائی دیتی ہے بعض اوقات وہی چھوٹی باتیں دو دلوں کو الگ کر دیتی ہے۔ کمال نبھانے والے کا ہوتا ہے۔ اگر کسی نے ساتھ نبھانا ہو تو ساری دنیا اگر کسی شخص کے خلاف ہوگی تو بھی نبھانے والا ساتھ دے گا اور کسی نے ہاتھ چھڑوانا ہو تو بندہ اس کے پیروں پر ہی کیوں نہ گر جائے، سوائے ذلت کے کچھ نہیں ملے گا۔

وہ بچپن تھا اس میں عالیہ نے اتنی بچکانہ باتوں پر یقین کر لیا تھا۔ وقت نے ان باتوں پر یقین کا غلاف مزید پختہ کر ڈالا تھا۔ اس نے کبھی فرصت سے اپنے اور عزازہ کے تعلقات کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ اس نے سوچا ہی نہیں تھا نمرہ کا اصل چہرہ کبھی اتنا بھیانک ہوگا۔ اس نے سوچا ہی نہیں تھا اس کی بہن اس قدر بے قصور ہوگی۔ اس نے شاید خود تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا بس ہر دفعہ نمرہ کی سوچوں پر ہی عمل کرتی آئی تھی۔ اس نے کبھی اپنی سوچ کا استعمال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ یہ انکشاف اس کے لیے بہت کڑا تھا۔

بظاہر بیوقوف دکھائی دیتی اس کی دوست کتنا کچھ کر چکی تھی اور کتنا کچھ کرنے والی تھی، وہ عالیہ جیسی بیوقوف لڑکی کی سوچ سے بالاتر تھا۔ وہ آج مکمل طور پر ہار گئی تھی۔ آج پہلی دفعہ اس کا اس قید میں دم نہیں گھٹ رہا تھا۔

تاریخ گواہ ہے جب جب کسی بہت اپنے نے بے وفائی کی ہے، انسان جیتی ہوئی جنگیں بھی میدان جنگ سے ہار کر آتا ہے۔

عالیہ نے اپنے پیر سمیٹ کر گھٹنے سینے سے لگائے۔ پھر ایک بار اس نے اپنا دل ٹٹولا۔ وہ حیران ہو گئی جو نفرت سالوں سے عزاہ کے لیے دل میں پنپ رہی تھی اب وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ بدگمانی دور ہونے سے کیا نفرتیں پل بھر میں غائب ہو جاتی ہیں؟ لیکن!

اس کے دل میں بھلے نفرت نہیں تھی مگر پچھتاوا! وہ اس وقت پورے دل پر تسلط جمائے ہوئے تھے۔ آج اس نے سارا دن اپنی بہن سے جدائی کا غم منانا تھا۔

آئینے کے سامنے کھڑی وہ اپنے بالوں کو پونی میں باندھ رہی تھی جب دروازہ کھول کر بے ٹی کمرے میں داخل ہوئی۔

اس نے پہلے آئینے کے سامنے کھڑی جائی یا نہ کو دیکھا پھر دیوار پر لگی گھڑی کو۔ آٹھ بج کر ایک منٹ ہو رہا تھا۔

"تم کہیں جا رہی ہو؟" بے ٹی ہلکے پھلکے لہجے میں بولتی ہوئی اپنے بیڈ پر دھڑام سے گر گئی۔

"ہاں! زید کے ساتھ باہر جا رہی ہوں۔" جائی یانہ نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا جبکہ جے ٹی جو بیڈ پر لیٹ گئی تھی فوراً سے کھڑی ہوئی۔

"اس حلیے میں؟!" جے ٹی نے کافی تنقیدی نظروں سے اسے گھورا۔

"کیوں میرے حلیے میں کیا خرابی ہے، صحیح تو ہے!" جائی یانہ کے لہجے میں اعتماد تھا البتہ وہ خود کو دیکھ رہی تھی آیا کسی چیز میں کوئی خرابی تو نہیں ہے۔

"تمہارا حلیہ عام روٹین کے لیے تو بالکل صحیح ہے مگر اپنے شوہر کے ساتھ باہر جانے کے لیے بالکل بھی فٹ نہیں ہے۔" وہ اب بیڈ پر سے اٹھ گئی تھی۔

"میں اپنے شوہر کے ساتھ گھومنے نہیں جا رہی ہوں میں تو بس یونہی۔"

"جا تو پھر بھی شوہر کے ساتھ ہی رہی ہو نا۔" جے ٹی نے جائی یانہ کی بات کاٹی۔

اس کے بعد وہ اٹھی اور الماری کے پاس جا کر اپنے کپڑے ادھر ادھر کرنے لگ گئی۔ پھر اس نے لال رنگ کی ایک فارمل سی قمیض نکالی اور جائی یانہ کے پاس آئی۔

"یہ لو یہ پہن کر جاؤ۔" اس نے جیسے ہی جائی یانہ کے پاس ہینگر میں لٹکا لباس بڑھایا جائی یانہ ہاتھ اٹھا کر منع کرنے لگ گئی۔

"نہیں نہیں جے ٹی پلیز میں تمہیں بتا رہی ہوں نا ہم دونوں یونہی بس پارک تک جا رہے ہیں۔ اتنا ہیوی سوٹ میں نہیں پہن سکتی۔"

"بیوقوف مت بنو اور جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو۔ تمہارے پاس کوئی بڑا اگر یہاں سمجھانے کے لیے نہیں ہے تو میں تھوڑی نا تمہیں یوں چھوڑ سکتی ہوں۔ جاؤ اور یہ پہن کر جلدی سے باہر نکلو۔"

"مگر!"

"مزید کچھ بھی نہیں سننا میں نے، اب اگر تم نے مزید کچھ کہا تو دیکھ لینا میں کسی طرح تمہارا جانا ہی کینسل کروا دوں گی اور تم جانتی ہو میں ایسا کر سکتی ہوں۔"

جائی یا نہ اب عجیب کشمکش کا شکار تھی۔ آج اسے زید سے ہر صورت ملنا تھا اور جے ٹی نے عجیب ضد باندھ لی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب اس نے دیکھ لیا جے ٹی کسی صورت نہیں مان رہی تو وہ خود ہی ہار مان کر باتھ روم میں چلی گئی۔

ہاسٹل کی باہر کی سڑک پر دیکھو تو وہ کچھ کچھ پر رونق تھی۔ ہاسٹل کے سامنے موجود دو تین دوکانیں کھلی ہوئی تھیں اور سڑک پر لوگ بھی اپنی منزل کی جانب بڑھتے دکھائی دیتے تھے۔ ایسے میں ہاسٹل کی دیوار کے بالکل ساتھ بائیک کھڑی کیے ہوئے بیٹھا ہوا تھا۔

وہ دوکان سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ہاسٹل جاکر فریش ہو کر بھی آگیا تھا۔ اس نے کالے رنگ کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس کے کالرز گردن کو تھوڑے بہت چھتے تھے۔ کالے رنگ کی ہی پینٹ پر اس نے کالے رنگ کے جوتے پہنے تھے۔ پرفیوم کی خوشبو اس کے جسم کو معطر کیے ہوئی تھی۔ وہ بالکل تیار تھا۔

جائی یانہ نے اسے ساڑھے آٹھ کا کہا تھا مگر اب آٹھ پینتیس ہو گئے تھے۔ اس نے جائی یانہ کو کال بھی کی تھی مگر اس نے اٹھائی نہیں تھی۔ جب دو تین منٹ مزید گزر گئے تو اس نے ہاسٹل کے اندر جانے کا سوچا وہ اس سے پہلے بانیک پر سے اترتا اسے گیٹ سے لال رنگ کی قمیض پہنے ایک لڑکی نکلتی دکھائی دی۔ اس لڑکی نے رک کر پہلے ادھر ادھر جھانکا پھر اسے دیکھ کر وہ اسی کی جانب بڑھ گئی۔

جبکہ زید ایک پل کے لیے سانس لینا بھول گیا۔ لال رنگ کے لباس پہنے، بال کندھے تک آتے تھے، سانولی رنگت پر ہلکا سا میک اپ اور ڈوپٹہ ایک طرف اوڑھے وہ بالکل تیار اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔ قدم لیتے ہوئے اس کی کلائی میں پہنی سنہری چوڑیاں چھن چھن کر رہی تھیں۔

زید کچھ بھی بولے بغیر اسے دیکھے جا رہا تھا۔ کیا وہ اس سے ملنے کے لیے اتنی تیار ہوئی تھی؟ اور اگر جواب ہاں میں تھا تو زید یہ بات سوچ کر ہی خوش ہو گیا تھا۔

وہ کچھ بھی بولے بغیر جائی یانہ کو مسلسل گھورتا رہا۔

"وہ۔۔۔ چلیں؟" بہت دیر بعد جائی یانہ نے خاموشی توڑی۔

"ہممم!" زید نے ہنکارا بھرا۔ نگاہیں ہنوز جائی یانہ پر ٹک ہوئی تھیں۔

جائی یانہ اس کی نگاہوں سے نروس ہو رہی تھی۔ اسے اپنا آپ اس وقت قربانی کے بکرے جیسا لگ رہا تھا جسے منڈی میں بیچنے سے پہلے سجایا جاتا ہے۔ اس نے لاکھ کوششیں کی جے ٹی کو باز رکھنے کی مگر وہ نہیں مانی۔ جائی یانہ کے کپڑے چیخ کر وا کر اس نے اس کا میک اپ کیا، بال کھول دیے، ہاتھوں میں چوڑیاں پہنا دی اور پھر اسے روانہ کیا۔

زید جب مسلسل اسے دیکھتا رہا تو اس نے دوسری دفعہ اسے ہوش دلایا۔

"چلنا نہیں ہے کیا؟" اس بار اس نے تھوڑے غصے سے کہا۔ زید جانے کیا سوچ رہا ہو گا کہ وہ آج اتنا تیار کیوں ہوئی ہے۔

"ہاں!!" اس بار وہ گڑبڑا کر سیدھا ہوا۔ وہ بایک پر سے اتر کر صحیح سے بیٹھا۔ جائی یا نہ بھی اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

سڑک پر بایک اب رواں دواں تھی۔

کچھ لمحات بعد

یہ منظر ہے ایک پارک کا۔ اندھیرے میں ڈوبے پارک کو جگہ جگہ لائٹ پولز روشن کیے ہوئے تھے۔ ان ہی لائٹ پولز میں سے ایک کے پاس بیٹھ تھا۔ اسی بیٹھ پر وہ دونوں بالکل کناروں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں برگر تھے جسے وہ دونوں دانتوں کی مدد سے کتر رہے تھے۔

"کیسا لگا آپ کو؟" گھنگھرا لے بالوں والے لڑکے نے برگر ہاتھ میں پکڑے ہوئے پوچھا۔

"اچھا!" لڑکی نے برگر کھاتے ہوئے فقط اتنا کہا۔ اس سے پہلے لڑکا کوئی اور موضوع چھیڑتا لڑکی نے پہلے ہی مدعے کی بات چھیڑ دی۔

"تمہاری تمہارے کزن آریان سے کوئی بات ہوئی ہے؟"

زید کو اس وقت آریان کا ذکر سن کر حیرت کا جھٹکا لگا۔ اس میں کچھ کچھ ناگواری بھی شامل تھی۔

"نہیں، میری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ ویسے اس کا اس وقت ذکر چھیرنے کا کوئی خاص مقصد ہے؟"

زید کی بھنویں سکڑی تھیں۔

"ہاں مقصد تو ہے۔" جائی یانہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"کیا؟" زید نے نا سمجھی سے جائی یانہ کو دیکھا۔ جانے کیوں جائی یانہ کو انداز اس کی دل کی دھڑکن کچھ تیز کر رہا تھا۔

"وہ دراصل مجھے آریان کے متعلق تمام معلومات چاہیے۔"

"کیوں؟" زید نے فوراً پوچھا۔ ایک دم سے اسے کچھ ہونے لگا تھا۔

"میری بڑی بہن عالیہ نے تمہارے کزن آریان سے شادی کر لی ہے اور اب شاید اس نے میری بہن کو زبردستی اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔"

زید کے دل میں مچنے والی بے چینی ایک پل میں تھم گئی۔

"آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟"

"میری دوسری بڑی بہن عزاہ نے!"

”آپ اپنے گھر والوں سے ملیں اور مجھے بتایا بھی نہیں؟“ زید کے لہجے میں شکوہ بھر آیا۔

”وہ آج صبح ہی آئی تھیں۔ اس لیے تو میں نے تمہیں آج ملنے کو کہا تھا تاکہ ملاقات کی تفصیل تمہیں بتاؤں۔“ جائی یانہ نے جیسے صفائی پیش کی تھی۔

”اچھا اسی لیے آپ نے مجھے میسج کر کے مجھے یونورسٹی چھوڑنے آنے سے منع کیا تھا۔“ زید اب کچھ کچھ سمجھ رہا تھا۔

”ہاں!“ جائی یانہ اب اسے موضوع کی طرف دوبارہ کھینچنے لگی۔ ”اب تم یہ سب چھوڑو اور مجھے یہ پتہ کر کے دو آریان ان دنوں رہ کہاں رہا ہے۔ میری بہن کو پورا یقین ہے اس نے ہماری بڑی بہن کو اسی گھر میں رکھا ہوا ہے جہاں وہ خود رہتا ہے اور وہ علاقہ خاصا پسماندہ ہے۔“

”ہم!“ زید گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر وہ اسی طرح سوچ میں ڈوبا رہا۔

دونوں نے برگر کھانا چھوڑ دیا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں پکڑے برگر بھی ٹھنڈے ہو گئے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ اپنی سوچوں سے باہر نکلا۔ اس نے جائی یانہ کی طرف دیکھا جو اسی کی جانب مضطرب انداز میں دیکھ رہی تھی۔

”آپ فکر نہ کریں۔ میں وعدہ تو نہیں کر سکتا ہوں مگر مجھ سے جتنا ہو سکے گا میں ضرور کروں گا لیکن

آپ ایک دفعہ پھر سوچ لیں آریان بہت خطرناک انسان ہے۔ اگر آپ اور آپ کی بہن اس کے

خلاف کھڑی ہونگی تو وہ ضرور آپ کو نقصان پہنچائے گا۔“

"میں نے سوچ لیا ہے۔ سوچ سمجھ کر ہی میں تم سے یہ بات کر رہی ہوں۔" جائی یانہ نے اس کی بات کو ہوا میں اڑایا۔

"پھر بھی ایک۔۔" زید نے دوبارہ سمجھانا چاہا مگر جائی یانہ نے اس کی بات شروع ہی نہیں ہونے دی۔

"زید مجھے سب پتہ ہے، یہ الگ بات ہے شاید تم میری مدد نہیں کرنا چاہتے ہو!" جائی یانہ کی بات سن کر زید کو غصہ آیا مگر وہ اسے دبا گیا۔

"میں ایسا کچھ نہیں چاہتا ہوں۔ جتنا ہوسکا اتنا ضرور کروں گا۔" اس نے ضبط سے کہا۔

اس کے بعد وہ دونوں خاموشی سے اپنا کھانا مکمل کرنے لگ گئے۔ زید کو ابھی تک جائی یانہ کی بات پر غصہ تھا جبکہ جائی یانہ کو زید کے بہانے بازی پر!

جائی یانہ کے نزدیک خطرناک لوگ بس فلموں ڈراموں تک ہی محدود تھے۔ اسے بالکل بھی یقین نہیں تھا اصل زندگی میں کوئی انسان خطرناک ہو سکتا ہے اور اگر ہو گا بھی تو کسی اور کے لیے، اس کے لیے تو کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔

جائی یانہ یہ نہیں جانتی تھی کہ آریان واقعی میں خطرناک انسان تھا اور وہ ایک دن اس کی زندگی خطرے میں ڈال دے گا۔

اس وقت وہ بس عزاء کی باتوں میں ہی مگن تھی۔

ہسپتال کی عمارت کے اندر آؤ تو اشفاق کو جس کمرے میں داخل کروایا ہوا تھا اس میں اس وقت نوال، زینب اور عزاہ ایک ساتھ بیٹھی رات کا کھانا کھا رہی تھیں۔

تینوں کھانا کھاتے ہوئے وقفے وقفے سے باتیں بھی کر رہی تھیں۔

"آج بھائی کے ساتھ آخری رات یہاں گزارنی ہے، کل دوپہر کو تو انہیں چھٹی مل جانی ہے۔ میں سوچ رہی ہوں آج کی رات بھی میں ادھر سو جاؤں۔" زینب نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے ہلکے پھلکے میں پوچھا۔

"نہیں، زینب تم دو راتوں سے یہی پر ہو۔ آج رات تم آرام کرنے چلی جانا۔" نوال نے زینب کی جانب متفکر نگاہوں سے دیکھا۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے کونسا راتوں کو جاگ کر ہل چلائے ہیں۔ بھائی تو آرام سے سو رہے تھے، میں نے بھی صوفے پر اپنی نیند پوری کر لی تھی۔" زینب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عزاہ ان دونوں کی بات پر بالکل خاموش تھی۔

"پھر بھی زینب دیکھ لو۔ کہیں پر کتنا ہی سو لو گھر والا آرام بس گھر میں ہی ملتا ہے۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہو گی۔"

نوال کے لہجے میں فکر جھلکتی تھی۔

"آپ فکر نہ کریں بھابھی مجھے کچھ نہیں ہوتا۔" زینب نے نوال کے ہاتھ پر تسلی کے لیے ہاتھ رکھ دیا۔

جب ان لوگوں نے کھانا ختم کر لیا تو اسی وقت شایان کمرے میں داخل ہوا۔ نیوی بلو کلر کی شرٹ پر گرے پیٹ پہنے وہ خاصا تھکا ہوا اور مصروف دکھائی دے رہا تھا۔

"جس جس نے گھر جانا ہے وہ میرے ساتھ آجائے!" عجلت سے کہتے ہوئے وہ دوبارہ دروازے سے کمرے سے غائب ہو گیا۔

عزہ کھڑی ہو گئی جبکہ نوال اور زینب بیٹھی رہیں۔

"صبح گھر سے کچھ لے کر آنا ہے؟" ہینڈ بیگ پکڑتے ہوئے اس نے پوچھا۔ یہ زینب کا بیگ تھا جسے اس وقت کبھی زینب تو کبھی عزہ استعمال کر رہی تھی۔

"ہاں میں سوچ رہی ہوں ناشتہ گھر سے ہی منگوا لیتے ہیں۔ سونے سے پہلے تم ملازمہ کو بتا دینا ہسپتال کے لیے ناشتہ گھر سے ہی جانا ہے تو وہ محترمہ تھوڑی جلدی جاگ کر کام شروع کر دے۔" زینب نے اسے ہدایات دی جس پر اس نے سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھی۔ پھر ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا اور اسے اپنا دماغ پل بھر کے لیے گھومتا محسوس ہوا۔ اس نے بروقت دیوار کو تھام لیا ورنہ وہ یقیناً گر جاتی۔

نوال اور زینب دونوں نے اس کی یہ حالت دیکھ لی تھی اس لیے وہ دونوں اس کی جانب بڑھی۔

"کیا ہوا عزہ؟" زینب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کچھ نہیں! بس یو نہی چکر آگیا۔" اس نے اپنی کنپٹی مسلتے ہوئے کہا۔ عزاہ اس کیفیت سے باہر آگئی تھی مگر اسے اپنا دماغ ابھی بھی سن محسوس ہو رہا تھا۔

"ایسا تو ہونا ہی تھا۔" زینب نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "کھانے پینے کا تم بالکل بھی دھیان نہیں رکھتی ہو۔ اوپر سے ان دنوں تمہاری نیند بھی مکمل نہیں ہو رہی ہے۔ گھر جا کر تم اب بس آرام کرنا۔ طبیعت ٹھیک ہو تو ہی ہسپتال آنا ورنہ یہاں آنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے ہم دونوں بھائی کا دھیان رکھنے کے لیے موجود ہیں۔"

نوال زینب کے برعکس خاموشی اور باریک بینی سے عزاہ کے چہرے کو پڑھ رہی تھی۔ عزاہ کے چہرے کی رنگت بھی پیلی پڑی ہوئی تھی جس پر نوال نے اب غور کیا تھا۔

"جی اچھا!" نوال کی نظروں سے بے نیاز عزاہ نے زینب کو جواب دیا۔

اس کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"آج کل کے بچے اپنا بالکل بھی دھیان نہیں رکھتے ہیں!" زینب سر نفی میں ہلاتے ہوئے واپس صوفے کی جانب بڑھنے لگی جبکہ نوال ابھی تک کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ ان کی نگاہیں بہت گہری معلوم ہوتی تھیں۔

کیا وہ جو سوچ رہی تھی وہ سچ تھا؟

پارک سے نکل کر وہ دونوں ایک ساتھ چل رہے تھے۔ تھوڑی سی تلخ کلامی نے ان دونوں کے موڈ کو بری طرح آف کر دیا تھا۔ وہ دونوں یونہی بانیک کے پاس پہنچ گئے۔

زید بانیک پر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنے لگ گیا جبکہ جائی یانہ ہاتھ باندھے دوسری جانب دیکھ رہی تھی۔

جیسے ہی بانیک کا انجن اسٹارٹ ہوا جائی یانہ خاموشی سے زید کے پیچھے بیٹھ گئی۔

وہ دونوں خاموشی سے سفر کر رہے تھے جب کچھ دور جانے کے بعد بانیک سڑک پر چلتے چلتے رک گئی۔ وہ سڑک خاصی سنسنان تھی اور کچھ حد تک اندھیری بھی۔

"اب اس کو کیا مسئلہ ہے؟" زید نے دوبارہ سے بانیک اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔

اس نے بار بار کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ جائی یانہ بانیک پر سے اتر گئی۔ زید نے تین چار بار مزید کوشش کی مگر بانیک نے آج نہ چلنے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔

"آج کا تو دن ہی خراب ہے!" زید نے بانیک کی تاروں میں ہاتھ مارتے ہوئے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں میرے ساتھ جو نکلے ہو دن اچھا کیسے ہو سکتا ہے!" جائی یانہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

زید نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"دیکھیں پلیز میں پہلے ہی پریشان ہوں، آپ اپنے طنز کسی اور دن استعمال کیجیے گا۔ زندگی عذاب بنا

دی ہے میری!"

اس کی بات سن کر جانی سیخ پا ہو گئی۔

"ٹھیک ہے میں نے زندگی خراب کی ہے نا تمہاری تو جا رہی ہوں میں! جی لو تم ایک بار پھر اپنی زندگی۔" پیر پٹختی ہوئی وہ سڑک پر سیدھا چلنے لگی۔

"رکے، رک جائیں!" وہ اسے پیچھے سے آواز لگا رہا تھا مگر جانی یانہ پیچھے نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں آنسو بھر گئے تھے۔ غصے سے لال چہرے کے ساتھ وہ سیدھا چل رہی تھی۔

اچانک ایک بایک مخالف سمت سے آتی دکھائی دی۔ وہ بغیر رکے چلتی رہی۔ بایک والے نے عین سامنے بایک کھڑی کردی جس کی وجہ سے وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ اس بایک پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں آدمی شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے۔ جانی یانہ کو اپنے ارد گرد خطرے کی گھنٹیاں بجتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"کیا ہوا میڈم؟ اکیلی کہاں جا رہی ہیں؟" بایک چلانے والے آدمی نے اس سے شوخ انداز میں پوچھا۔ جانی یانہ کے اندر اب اتنی ہمت بھی نہیں رہی تھی کہ وہ بھاگ کر آگے یا پیچھے ہو جاتی۔ "کہے تو ہم چھوڑ دیتے ہیں۔" پیچھے بیٹھا شخص بایک پر سے اتر رہا تھا۔ جانی یانہ نے پیچھے ہونا چاہا مگر اسے ایسا لگا کہ اس کے پاؤں زمین نے جکڑ لیے تھے۔

"آئے ہم آپ کو۔۔۔" اس آدمی کا ہاتھ جانی یانہ کو پکڑنے کے بہت قریب پہنچ گیا تھا جانی یانہ نے آنکھیں میچ لی۔

وہ آنکھیں بند کیے رکھی۔ آدمی نے اسے نہیں پکڑا تھا بلکہ کچھ دیر بعد اس کے کراہنے کی آواز اس کے کان میں گونجی۔

جائی یانہ نے جیسے ہی آنکھیں کھولی۔ اسے زید بالکل اپنے سامنے دکھائی دیا۔ اس آدمی اور جائی یانہ کے درمیان میں جتنا فاصلہ تھا وہ سب زید نے پر کر دیا تھا۔ وہ جائی یانہ کو بالکل چھپا گیا تھا۔ اب نہ سامنے والا جائی یانہ کو دیکھ سکتا تھا اور نہ جائی یانہ اپنے آگے کے منظر کو دیکھ سکتی تھی۔

اس نے تھوڑا سا جھانک کر دیکھا تو اسے زید دوسرے آدمی کا ہاتھ پکڑے دکھائی دیا۔ اس نے دوسرے آدمی کا ہاتھ مڑوڑا ہوا تھا۔ جائی یانہ کا حلق سکھ گیا۔ زید ان دونوں سے لڑ رہا تھا۔ کس کے لیے؟

"چھوڑ میرا ہاتھ، میں کہتا ہوں چھوڑ!" دوسرے آدمی نے مچلتے ہوئے زید سے چیخ کر کہا مگر زید کی گرفت ہلکی سی کمزور نہیں پڑی تھی بلکہ مزید زور لگا دیا تھا۔

"آئندہ کے بعد کسی بھی عورت کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے یہ ضرور سوچ لیا کرنا اگر اس ہاتھ کو پکڑنے والا کوئی آگیا تو تمہارا کیا ہوگا۔" زید نے چبا چبا کر کہا۔ پھر اس نے ہاتھ کو اس قدر بری طرح سے مڑوڑا کہ اس کی انسان کی ہڈی چیخ گئی۔ تکلیف کے مارے اس آدمی کی چیخیں بلند ہو گئی۔ بایک پر بیٹھا شخص اپنے ساتھی کو خاموشی سے پٹتا دیکھ رہا تھا۔

زید نے یہی پر بس نہیں کی اس نے ہاتھ مروڑنے کے بعد اسے چھوڑ تو دیا مگر اپنی لات آدمی کے پیٹ پر مار دی اور وہ جو ہاتھ پکڑے بیٹھا تھا پیٹ پر اس قدر شدید ضرب لگنے پر اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

وہ زید کے سامنے زمین پر گر گیا تھا۔ زید ایک آخری دفعہ لات اس کے چہرے پر مار کر واپس مڑ گیا۔ اس نے جائی یانہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ تقریباً جائی یانہ کو گھسٹتے ہوئے ہی چل رہا تھا۔ زید اس کی جانب قطعاً نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں آگے کی جانب تھیں جبکہ جائی یانہ اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

پیچھے سے انہیں بانیک اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی لیکن دونوں نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ جائی یانہ کو لگا وہ لوگ واپس جا رہے ہونگے لیکن بانیک کی آواز دور جانے کی بجائے ان کے قریب آ رہی تھی اور پھر ایسا ہوا وہ بانیک جائی یانہ کے عین عقب پر پہنچ گئی۔ زید نے ایک دم سے جائی یانہ کو اپنے بازو سے اپنی طرف کرنا چاہا مگر اس وقت بانیک چلانے والے آدمی نے چاقو زید کے بازو میں گھونپ دیا۔ بس ایک منٹ! ایک منٹ لگا بانیک سوار اور اس دوسرے آدمی کو فرار ہونے میں۔

اس کے بعد سڑک ایک بار پھر سنسان ہو گئی۔ زید نے تکلیف سے بازو اپنے سامنے کر لیا اور چاقو ہٹانے لگا۔

"زید!" وہ خوف و ہراس میں بس یہی نام لے پائی۔ اس کے سامنے زید کے بازو سے خون گر کر زمین پر گر رہا تھا۔ چاقو باہر نکالنے کی کوشش میں خون بہنے کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔

اس نے چاقو ہٹا لیا لیکن خون بہہ جا رہا تھا۔ جائی یانہ نے اپنے ڈوپٹے کا پلو زخم پر رکھنا چاہا مگر زید نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"زید ہم ہسپتال چلتے ہیں۔ تمہیں بہت بری چوٹ لگی ہے۔" جائی یانہ نے اس کا دوسرا بازو (جس پر چوٹ نہیں لگی تھی) تھام کر کہا۔ زید کا خون اس کے ہاتھوں پر بھی لگ گیا تھا۔ اس بار زید نے اس کا ہاتھ نہیں جھٹکا تھا۔

"ہم کہیں نہیں جا رہے ہیں۔ آپ خاموشی سے ہاسٹل جائیں آپ کو ہاسٹل چھوڑ کر میں خود ہسپتال جاؤں گا۔ اب آپ کو میں کہیں لے کر نہیں جا رہا ہوں۔" زید نے چبا چبا کر ہر الفاظ ادا کیے تھے۔ اس کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔ صاف ظاہر تھا اس نے بہت سے غصہ اپنے اندر دبایا ہوا تھا۔ جائی یانہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

"نہیں نہیں! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میں تمہیں یوں نہیں چھوڑوں گی۔ تمہارا بہت زیادہ خون۔۔"

"میں نے کہا نا کہ۔۔۔" زید نے اس قدر زور سے بات کاٹ کر اپنی بات کہی تھی کہ جائی یانہ ایک دم ڈر کر اس سے ایک قدم پیچھے ہو گئی۔ زید نے جب اسے سہم کر اسے پیچھے ہوتے دیکھا تو اس کی زبان رک گئی۔

جائی یانہ آنکھیں پھیلائے اسے دیکھتی رہی جبکہ وہ زمین پر دیکھتے ہوئے لمبے لمبے سانس بھرنے لگا۔

پھر وہ خاموشی سے قدم لیتا ہوا بایک پر بیٹھ گیا۔ جائی یانہ بھی مرے مرے قدموں سے بڑھتے ہوئے بایک پر اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ اس نے اب کی بار بایک کے انجن کو اسٹاٹ کیا تو وہ ایسے چلا جیسے کبھی خراب ہی نہیں ہوا تھا۔

زید نے بایک اسٹارٹ کر دی تھی مگر اپنے بازو پر زخم لگنے کی وجہ سے وہ بایک زیادہ رفتار میں نہیں چلا رہا تھا۔ وہ بایک یونہی سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔ جائی یانہ غائب دماغی سے یونہی راستوں کو تکتی رہی۔ پھر ایک دم سے بایک جھٹکے سے رکی۔ جائی یانہ کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب اس نے بایک کو ہسپتال کے سامنے رکتا دیکھا۔

کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کمرے کے باہر راہ داری میں جلتے بلب نے کمرے کو روشن کیا ہوا تھا۔

ایسے میں اگر ہم بیڈ پر جھانکے تو بیڈ پر لیٹا ایک نفوس بار بار کروٹیں بدلتا دکھائی دے گا۔ اگر غور کرو تو اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھی اور کمرے میں روشنی کی کمی کے باوجود اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ جب اسے کسی کروٹ چین نہیں ملا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی جو رات کے بارہ بج رہی تھی اور دوسری نظر بیڈ کی دوسری طرف لیٹے اپنے شوہر پر ڈالی جو ہر چیز سے لاپرواہ آرام سے سو رہا تھا۔

عزہ کو شدید بے چینی ہو رہی تھی۔ اس کو ایسا لگ رہا تھا ہسپتال میں کھایا رات کا کھانا اس کے سینے میں کہیں اٹک گیا ہے۔ عجیب سی طرح سے اس کا دماغ سن ہوئے جا رہا تھا۔

وہ سر ہاتھوں میں گرا کر بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ لیٹے شایان کی آنکھ ذرا سی کھلی تو اس نے عزہ کو یوں بیٹھا دیکھ کر اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہیں تمہارا باپ تو۔۔" اس سے پہلے شایان کی بات پوری ہو پاتی عزہ جھٹکے سے بیڈ پر سے کھڑی ہوئی اور بھاگتی ہوئی باتھ روم کی جانب بڑھی۔ وہ جلدی سے بیسن پر جھک گئی۔ سارا کھانا جو اس نے کھایا تھا وہ قے کی صورت میں نکل گیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب عزہ باتھ روم سے واپس کمرے میں آئی تو شایان اسے گھورتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"تم باپ بیٹی نے کیا راتوں میں بیماری کا نائک رچایا ہوا ہے۔ سکون سے دو گھڑی سونا بھی عذاب کیا ہوا ہے تم لوگوں نے۔ اب میں سو رہا ہوں اگر اب تمہاری وجہ سے میری نیند ڈسٹرب ہوئی تو میں بتا رہا ہوں تمہیں دھکے دے کر کمرے سے نکالوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے شایان واپس لیٹ کر سو گیا جبکہ عزہ اپنا سر پکڑے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اسے اپنا آپ بہت کمزور محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا اس میں ذرا برابر بھی طاقت نہیں رہی تھی۔

ہسپتال کی راہداری میں وہ بار بار چکر لگا رہی تھی۔ ایمر جنسی وارڈ کے وہ بالکل باہر کھڑی تھی۔ زید اندر اپنی مرہم پٹی کروا رہا تھا۔

چاقو کے وار کی وجہ سے ہسپتال کے عملے کو معاملہ سنجیدہ نوعیت کا لگ رہا تھا اور وہ اسی وجہ سے پولیس کو مطلع کرنا چاہتے تھے۔ ان دونوں نے عملے سے ہزاروں جھوٹ اور بہانے بنا کر ان کو زید کے علاج کے لیے راضی کیا تھا۔ جب وہ لوگ زید کو ٹریمنٹ دینے کے لیے راضی ہو گئے اور زید کو ایمر جنسی وارڈ میں لے گئے اس کے بعد جائی یانہ نے ہاسٹل انتظامیہ کو کال کر کے اپنی مجبوری بتا دی۔ انہوں نے کسی بھی قسم کی مزاحمت نہیں کی اور جائی یانہ کو ہسپتال رکنے کی اجازت دے دی۔

اب جائی یانہ وارڈ کے باہر ہی کھڑی تھی۔ اسے انتظار تھا زید کب باہر آئے گا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد جائی یانہ چلتے چلتے تھک گئی اور ہسپتال کی کرسی پر بیٹھ گئی تب جا کر زید اسے وارڈ سے باہر نکلتا دکھائی دیا۔

شرٹ کی آستین چڑھی ہوئی تھی۔ اس سے بازو میں سفید بندھی پٹی اچھے سے دکھائی دیتی تھی۔ پٹی کے عین وسط پر مہرون رنگ کا داغ بھی تھا۔ جائی یانہ نے اسے آتا دیکھا تو اس کے پاس ہی آگئی اور اس کے بازو کو ہی دیکھتی رہی۔

اس احساس نے کب سے اس کے دل کو بھاری کیا ہوا تھا کہ زید کو چوٹ اس کی وجہ سے لگی تھی۔ اب پٹی میں بندھے اس کے بازو کو دیکھ کر یہ بوجھ اس قدر شدید ہو گیا کہ اسے چھپانا جائی یانہ کے لیے ناممکن ہو گیا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے جسے چھپانے کے لیے جائی یانہ نے جلدی سے اپنی آنکھوں کو رگڑا۔ وہ خود کو سنبھالنا چاہتی تھی۔ زید اس کو یوں روتا دیکھ چکا تھا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

اور پھر بس! جائی یانہ جو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اس نے یہ کوشش بھی ترک کر دی اور آنسو زور و شور سے اس کے گالوں میں بہنے لگ گئی۔ زید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا مگر وہ جھٹک کر ہسپتال سے باہر جانے کے لیے قدم بڑھانے لگ گئی۔ زید بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگ گیا۔

ہسپتال سے نکل کر جب وہ دونوں بانیک کے پاس پہنچیں تو زید بانیک پر بیٹھنے کی بجائے جائی یانہ کے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا۔ جائی یانہ نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔

زید نے اس کا کندھا پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا اور اپنے ہاتھ کو اس کے کندھے پر ہی رکھ کر اس سے نرم لہجے میں پوچھنے لگا۔

"اس وقت میں نے آپ سے غلط طریقے سے بات کی تھی۔ آپ اسی وجہ سے ناراض ہے، ہے ناں؟"

جائی یانہ نے تر گالوں کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

"پھر کیوں رو رہی ہیں آپ؟" وہ قدرے جھک کر اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"میرا دل کر رہا ہے۔" اس نے روتے ہوئے جب یہ کہا تو زید کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی جسے اس نے بروقت دبا دیا۔

"منع تو اب میں کروں گا نہیں کیونکہ سنیں گی تو آپ بس اپنے دل کی بھلے کوئی دوسرا مر ہی کیوں نہ رہا ہو۔"

زید کی بات سن کر جو وہ پہلے ہی وہ شرمندہ تھی کچھ اور شرمندہ ہو گئی۔

"میری وجہ سے تمہیں یہ چوٹ لگی ہے۔" وہ پوچھ رہی تھی یا بتا رہی تھی زید سمجھ نہ سکا۔

"ہاں لگی تو خیر آپ کی ہی وجہ سے ہے۔"

"مجھے اس وقت غصہ آ رہا تھا تم نے جس طرح مجھے بولا بس اسی کے ری ایکشن پر میں تمہاری مزید کوئی بات نہیں سننا چاہتی تھی مجھے نہیں پتہ تھا یہ سب کچھ ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ زید کا بازو پکڑ کر رونے لگ گئی اور کچھ دیر تک زار و قطار روتی رہی۔ زید نے اسے رونے دیا جب جائی یا نہ کے رونے کی شدت میں کچھ کمی آئی تو زید نرمی سے بولا۔

"محترمہ! آپ بھول رہی ہے آپ اسی بازو کو زور سے پکڑے ہوئے ہیں جس پر کچھ دیر پہلے دو گنڈے چاقو مار کر گئے ہیں۔ اگر رونے کے لیے بازو چاہیے تو ماشاء اللہ سے اللہ نے مجھے دوسرا بازو بھی عطا کیا ہے۔"

اس کے یہ کہنے کی دیر تھی جائی یا نہ ایک پل میں اس سے دور ہوئی۔ اس نے گیلے گالوں کو ڈوپٹے سے صاف کیا۔

"ویسے ایک بات بولوں غلطی میری بھی ہے۔ میں نے بھی غصے میں آپ کو بہت کچھ کہا ہے۔ مجھے واقعی میں آپ سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ مجھے معاف کر دیں۔"

جائی یا نہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا بس خاموشی سے کھڑی رہی۔ زید نے اسے یوں خاموش دیکھا تو اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور نرم مسکراہٹ لیے بولا۔

"فرینڈز؟" جائی یانہ نے پہلے اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھا اور پھر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اس کے بعد اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"فرینڈز!" ان دونوں نے ایک ساتھ ہاتھوں کو جھٹکا اور نرمی سے ایک دوسرے سے الگ کیا۔ اس کے بعد زید بانیک پر بیٹھ گیا جبکہ جائی یانہ پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ زید نے بانیک اسٹارٹ کر دی۔ کچھ دیر بعد ان کی بانیک ہاسٹل کے باہر کھڑی ہوئی تھی۔ جائی یانہ بانیک پر سے اتر گئی اور اس کے بالکل سامنے کھڑی ہو گئی۔

"میں نے بجو کو جواب دینا ہے اس لیے تم مجھے صاف صاف بتا دو تم ہماری مدد کر سکتے ہو یا نہیں؟ اگر تم نہیں بھی کرنا چاہتے ہو تو بھی کوئی بات نہیں ہے، ہم تم پر زور نہیں ڈالیں گے۔ منع کرنے کا تمہارا پورا حق ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کا کام کر دوں گا بس مجھے تھوڑا سا وقت چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ اب وقت آپ لوگ مجھے ضرور دیں گے۔" اس کے بعد زید بھی بانیک پر سے اترنے لگا۔ "تم کہاں جا رہے ہو؟" جائی یانہ نے اسے بانیک پر اترتے دیکھا تو پوچھا۔ زید بانیک پر لاک لگاتے ہوئے بولا۔

"اتنی رات ہو گئی ہے اب آپ یوں اکیلی جائیں گی تو ہاسٹل والوں کی نظروں میں آپ مشکوک ہو جائیں گی۔"

"میں نے بات کر لی تھی۔ کچھ نہیں ہوتا۔ تم جاؤ اور آرام کرو۔" جائی یانہ نے کہا۔

"نہیں پھر بھی، وہ ہم دونوں کو یوں دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ واقعی میں ہمارا ایکسڈنٹ ہوا ہے۔ آپ جھوٹ نہیں بول رہی ہیں۔"

یہ کہہ کر زید ہاسٹل کے گیٹ کی طرف جانے لگا۔ جانی یانہ نے کندھے اچکائے اور اس کے پیچھے ہو لی۔

رات کے بعد صبح کا سویرا ہر سو چھا گیا۔ اسلام آباد کے رہائشی معمول کے مطابق اپنا کام کرنے میں مصروف ہو گئے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن کی زندگی بالکل ساکن تھی۔ ان کے پاس کوئی کام، کچھ بھی کرنے کو نہیں تھا۔

ایسے ہی لوگوں میں ایک سنہری آنکھوں والی لڑکی بھی تھی جو اس وقت کمرے میں قید اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ دن ہو یا رات اس کی زندگی کو اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ایک جمود اس کی زندگی پر طاری ہو گیا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی مگر وہ نہیں اٹھی۔ وہ جانتی تھی کہ کون آیا ہے۔

"تم نے مجھے ایک دو دن پہلے بلایا تھا؟" آواز میں چڑانے والا تاثر تھا۔

"ہاں بلایا تھا۔" وہ چت لیٹی چھت کو گھورتے ہوئے بولی۔ اسے اس وقت یوں کوئی بھی دیکھتا تو اس کے تصور میں ایک لاش کا خاکہ ضرور بنتا۔ زندہ لاش کا!

"کیا بات کرنی تھی؟" مردانہ آواز گفتگو طویل کر رہی تھی۔ شاید اس کے پاس آج وقت ہی وقت تھا۔

"بات کرنی تھی، اب نہیں کرنی ہے۔" اسی انداز میں چبا چبا کر جواب دیا۔

"کیوں؟ اب کیوں نہیں؟"

"جو بات تم سے پوچھنی تھی وہ تمہاری بہن بتا گئی ہے۔ مطلب بات سے تھا، بات بتانے والے سے نہیں۔ تم اب چاہو تو جا سکتے ہو۔"

"تم مجھے نکال رہی ہو میرے ہی گھر کے کمرے سے؟" مردانہ آواز میں کچھ ناگواری چھا چکی تھی۔

سنہری آنکھوں میں نمی کے ساتھ تلخی بھر گئی۔ وہ استہزایہ مسکرائی۔

"میں کون ہوتی ہوں کسی کو نکالنے والی۔ تم نے شاید لفظوں پر غور نہیں کیا۔ میں نے تم سے کہا ہے تم اب چاہو تو جا سکتے ہو۔ اس بات پر بھی تمہاری چاہت کو اوپر رکھا ہے میں نے آریان!"

ایک پل بھی ایسا نہیں تھا جس میں عالیہ نے آریان کی طرف دیکھا ہو۔ وہ سارا وقت چہرہ اوپر کیے ہوئے تھی۔

آریان اب الجھی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"لگ رہا ہے اتنے دن ایک ہی کمرے میں پڑے پڑے تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ اسی لیے اتنی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو"

"شاید!" اس نے نہ تردید کی نہ کھل کر تصدیق۔

آریان اسے یونہی دیکھتا رہا اور پھر کچھ لمحات بعد باہر چلا گیا۔

جیسے ہی آریان باہر گیا عالیہ نے چہرہ موڑ کر اس دروازے کو دیکھا جس سے وہ باہر گیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں نمی بھرنے لگ گئیں۔ اسے بہت رونا آ رہا تھا۔ بہت زیادہ!

ہاسٹل کے کمرے میں اگر جھانکیں تو جائی یانہ اس وقت چہرہ لٹکائے شرمندہ نگاہوں سے بے ٹی کو دیکھ رہی تھی جو بس خاموشی سے اپنے سرخ رنگ کے دوپٹے کو دیکھ رہی تھی۔ اس ڈوپٹے پر اگر غور کرو تو خون کے لال دھبے مبہم سے دکھائی دے رہے تھے۔

"آئی ایم سوری بے ٹی، اس وقت صورتحال ہی کچھ ایسی تھی کہ میں دھیان ہی نہیں دے پائی تمہارے ڈوپٹے پر یوں خون لگ سکتا ہے۔ میں تو تمہیں منع بھی کر رہی تھی لیکن تم ہی نہیں مان رہی تھی۔"

بے ٹی خاموشی سے ڈوپٹے کو ہی تکتی رہی۔ جائی یانہ کی پریشانی میں اب کچھ اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ بے ٹی کے پاس گئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"دیکھو تم اگر کہو گی تو میں تمہیں اس سے بھی اچھا کوئی نیا برینڈڈ سا جوڑا لا دوں گی۔ پلیز مان جاؤ!"

"تم بہت لکی ہو جائی یانہ!" بے ٹی نے کھوئے کھوئے ہوئے سے لہجے میں کہا۔ جائی یانہ چونک گئی۔ بے ٹی اپنی رو میں کہنے لگی۔

"تمہیں بچانے کے لیے ایک شخص نے اپنی پرواہ نہیں کی۔ وہ چاقو تمہیں لگنے جا رہا تھا مگر اس نے بر وقت تمہیں بچانا چاہا اس میں اس کا اپنا بازو زخمی ہو گیا۔ وہ چاہتا تو تمہیں اس صورتحال میں چھوڑ کر جا سکتا تھا لیکن نہیں، وہ نہیں گیا۔" جے ٹی اب اپنے ڈوپٹے کو تہہ لگانے لگ گئی۔

"پتہ ہے ایک دفعہ میں بھی ایسی صورتحال میں پھنسی تھی۔ میں اور میرا بوائے فرینڈ ایک پارٹی سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں چوروں نے ہمارے اوپر حملہ کر لیا۔ ہمارے پیسے، موبائل اور میرے بوائے فرینڈ کی گاڑی لے لی۔ چور چاہتے تھے کہ گاڑی میں ان لوگوں کے ساتھ میں بھی جاؤں۔ ان کا یہ ارادہ جان کر میرے اوسان خطا ہو گئے تھے میں نے چیخ چیخ کر اپنے بوائے فرینڈ کو میری مدد کرنے کو کہا مگر وہ کسی کی بھی بات سنیں بغیر وہاں سے بھاگ گیا۔ میری قسمت اچھی تھی کہ ایک پولیس موبائل وہاں سے گزر گئی اور میری جان بچ گئی ورنہ آج میں یہاں تو کم از کم نہیں ہوتی۔" جے ٹی اپنی سناتے ہوئے پورا ڈوپٹہ سمیٹ چکی تھی۔ پھر اس نے ڈوپٹہ جائی یا نہ کی طرف بڑھایا۔ جائی یا نہ نا سمجھی سے ڈوپٹہ دیکھتی رہی۔ اس نے اسے پکڑا نہیں۔

"تمہارا شوہر تم سے سچی محبت کرتا ہے جائی یا نہ! اس کا ثبوت ڈوپٹے پر لگا اس کا خون ہے۔ مرد جب کسی عورت کو چاہتا ہے تو ایک پل کے لیے بھی اس کا کسی دوسرے آدمی کے پاس ہونے کا خیال اس کی روح قبض کر ڈالتا ہے۔ وہ کسی انمول خزانے کی طرح اپنی عورت کو سمجھتا ہے اور اس کا محافظ بنے رہتا ہے۔ مرد اپنی محبت کا اظہار تحافظ اور عزت سے کرتا ہے اور تمہارے منہ سے زید کی باتوں کو سن کر میں جان گئی ہوں زید تمہاری عزت اور حفاظت دونوں کرتا ہے۔ تم اس کی سچی محبت ہو!"

جائی یا نہ بالکل خاموش رہی۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ بے ٹی نے ڈوپٹہ پکڑے ہاتھ کو تھوڑا اور جائی یا نہ کے قریب کیا اور کہا۔

"یہ تم رکھ لو۔ جب جب تم اس ڈوپٹے کو دیکھو گی تمہارے دل میں اپنے شوہر کے لیے عزت ضرور بڑھے گی۔ میں اپنی اس لال قمیض کے اوپر کوئی دوسرا لال ڈوپٹہ لے آؤں گی۔ اب تم تیار ہو جاؤ تمہیں یقیناً یونیورسٹی سے دیر ہو رہی ہے۔" جائی یا نہ نے ڈوپٹہ کچھ بھی کہے بغیر تھام لیا۔ اس کے بعد بے ٹی اپنی قمیض کو سمیٹنے لگی جبکہ جائی یا نہ خالی نظروں سے اس ڈوپٹے کو دیکھنے لگی۔

عزہ کی طبیعت صبح مزید خراب ہو گئی۔ عزہ کو بیڈ پر سے اٹھنا بھی محال لگتا تھا۔ اس نے کال کر کے زینب کو اپنی طبیعت کا بتایا تو انہوں نے سختی سے اسے ہسپتال آنے سے منع کر دیا۔

عزہ کی حالت ایسی تھی اگر زینب اسے منع نہ بھی کرتی تو بھی وہ ہسپتال نہیں جاسکتی تھی۔ وہ اب ایک قدم بھی چل رہی تھی تو اسے چکر آ رہے تھے۔

شایان تو اسے اس کے حال پر چھوڑ کر آفس کے لیے نکل گیا جبکہ نمبرہ نے کمرے میں آنا ہی مناسب نہیں سمجھا۔ وہ بیماری کی حالت میں یونہی کمرے میں پڑی رہی۔

اسے اب پھپھو کا انتظار تھا۔ پھپھو ہی اسے ہسپتال ڈاکٹر کے پاس لے کر جاسکتی تھی یا شایان کو اس کے ساتھ بھیج سکتی تھی۔ باقی کسی کو بھی یہاں کہنا فضول تھا۔

صبح کا اجلا سورج اب شام کے ڈھلتے آفتاب میں بدل گیا ہے۔ ایسے میں اگر ہم اشفاق کے گھر آئے تو گھر کے مالکان اپنے گھر واپس آچکے تھے۔ کمروں کا جائزہ لیں تو نوال اور اشفاق کے مشترکہ کمرے میں اشفاق صاحب بیڈ کے تاج سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ وہ گہری سوچ میں مگن تھے۔ کمرے میں بیڈ کے عین اوپر لگے پنکھے کے چلنے کی آواز ہی گونج رہی تھی۔ وہ نقصان اور بے عزتی کے شاک سے نکل آئے تھے۔ وہ اب آگے کا لائحہ عمل طے کر رہے تھے۔

اشفاق صاحب کی سوچ میں محل کمرے میں داخل ہوتی نوال نے دیا۔ نوال اشفاق صاحب کی سوچوں سے بے نیاز اپنے ہاتھ میں پکڑے سوپ کے پیالے کو دیکھ رہی تھی۔ گرم مائع کے اندر تیرتے گاجر، مٹر اور دیگر اجزاء کے ٹکڑے نوال پیالے میں موجود چمچ سے گھما رہی تھیں۔

"یہ لیں!" وہ اشفاق کے عین سامنے بیٹھ گئیں۔

اشفاق صاحب نے غور سے دیکھا۔ فریبہ جسم اب کچھ کچھ کمزور دکھائی دینے لگ گیا تھا۔ آنکھوں اور چہرے کے ارد گرد جھریاں بھی نمایاں دکھائی دیتی تھی۔ بال ہمیشہ کی طرح ڈوپٹے سے اچھے سے چھپائے ہوئے تھے اور سنہری آنکھیں اداسی کی نشاندہی کرتی تھی۔

کیا یہ سالوں پرانی وہی نوال تھی جس کے ساتھ انہوں نے اپنا بچپن اور جوانی گزار دیے تھے؟ جوانی کا تو پتہ نہیں ہاں مگر یہ نوال بچپن سے بالکل الگ تھی۔ یہ وہ نوال نہیں تھی جو ایک زمانے میں انہیں پسند تھی، جس سے شاید انہیں کبھی محبت بھی تھی۔ یہ تو وہ نوال تھی جو ایک بوجھ تھی اور جسے اس کے چچا نے اپنے احسانات کے عوض بوجھ ہی کی طرح اس کے سر پر لادا تھا۔ اس کا کردار اشفاق کی نظروں میں مشکوک تھا جس کی وجہ سے وہ بالکل بے وقعت بن گئی تھی۔

بعض اوقات صدیاں گزر جاتی ہے ایک انسان کو چاہتے چاہتے اور بعض اوقات پل بھر میں ایک انسان ہمارے لیے بے معنی ہو جاتا ہے۔

نوال نے جب سوپ سے بھرا چچج اشفاق کی جانب بڑھایا اسی وقت ان پر یہ ادراک ہوا اشفاق انہیں گہری نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

نوال نے چچج آگے بڑھاتے ہوئے ہی آرام سے پوچھا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں؟"

اشفاق نے سرنفی میں ہلایا اور چچج منہ میں لے لی۔

اس کے بعد نوال اشفاق کو سوپ پلانے میں مگن ہو گئی۔ جیسے ہی سوپ کا آخری چچج اشفاق کے منہ میں گیا، نوال اپنی جگہ پر سے کھڑی ہونے لگ گئی۔

"تم سے بات کرنی ہے!" نوال جو اٹھنے والی تھی، اٹھتے اٹھتے دوبارہ بیٹھ گئیں۔

"جی بولیں!" نوال کا انداز بے نیاز تھا۔

"میں پرانے گھر اور چچا کی دوکان کو بیچنے کا سوچ رہا ہوں۔"

اشفاق کی بات سن کر نوال نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اشفاق کو دیکھا۔ ان آنکھوں میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

"آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں اشفاق!؟"

"صحیح کہہ رہا ہوں میں، میری کمپنی کو بینک والوں نے ضبط کر لیا ہے۔ میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہے کہ میں اس کمپنی کو دوبارہ حاصل کر پاؤں۔ اب ایک یہی حل مجھے نظر آ رہا ہے کہ پرانے محلے والی ہماری جائیداد کو بیچ کر کسی دوسری جگہ انویسٹ کر دوں۔"

"اگر آپ کو پیسے چاہیے تو یہ گھر بیچ دیں، وہ ہمارا پرانا گھر ہے۔ میں نے وہاں اپنا بچپن گزارا ہے۔ میں اس گھر کے بکنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی ہوں۔" نوال نے دوسرا حل پیش کیا۔ وہ ہر صورت اشفاق کو اپنے ارادے سے باز کرنا چاہتی تھیں۔

"یہ گھر جائی یا نہ کے نام ہے جب تک اس کے دستخط نہیں ہونگے میں اسے کیسے بیچوں گا اور ویسے بھی پرانا گھر ہمارے کسی کام کا بھی نہیں ہے۔ تم نے ادھر کوئی کامیابی کے جھنڈے نہیں گاڑے تھے جو اس گھر کو بیچنے سے تمہیں تکلیف مل رہی ہے۔"

اشفاق نے سخت لہجے میں نوال کو باور کروا دیا۔ وہ کسی صورت اپنا ارادہ نہیں بدلیں گے۔ نوال سخت قسم کے دباؤ کا شکار ہو گئی تھیں۔

اشفاق اپنی رو میں بولتے رہے۔ "وہ تو اچھا ہوا میں نے اچھے وقتوں میں ہی زینب اور ام ہانی کو ان کا حصہ دے دیا اور گھر اور دوکان اپنے نام کروا لی۔ اگر ہمارے پاس یہ اثاثہ نہیں ہوتا تو ابھی تو ہم بالکل کنگال ہوتے۔"

نوال اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں اور آہستہ آہستہ کمرے کی دروازے کی جانب بڑھنے لگیں۔ پھر ایک دم وہ رکی اور مڑ کر اشفاق کو دیکھا جو کافی پر سکون دکھائی دیتے تھے۔

"آپ میری ایک بات مانیں گے؟"

"بولیں؟"

"گھر بیچنے سے پہلے ایک بار میں اس گھر جانا چاہتی ہوں۔ کیا میں وہاں جا سکتی ہوں؟"

اشفاق کے چہرے پر ایک دم سے ناگواری چھا گئی لیکن جب وہ بولیں تو بس اتنا ہی۔

"چلی جائیے گا۔"

نوال واپس مڑ گئیں اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔

زینب نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ کھڑکی سے آتی گہرے نیلے رنگ کی روشنی کمرے کے اندھیرے میں کچھ روشنی ڈال رہی تھی۔ زینب نے اٹھ کر موبائل اٹھایا تو اس پر شام کے سات بج رہے تھے۔ زینب نے اپنی دوبارہ بند ہوتی آنکھوں کو قابو میں لیا اور بمشکل اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

اشفاق اور نوال کو گھر چھوڑ دینے کے بعد زینب خود بھی اپنے گھر آ گئیں۔ وہ دو راتوں سے بے آرام رہی تھیں۔ تھکن سے وہ چور چور تھی۔ اس لیے جیسے ہی وہ اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر لیٹی نیند فوراً ان پر آشکار ہوئی۔ اب اتنے گھنٹوں بعد جب وہ گہری نیند سے اٹھیں تو انہیں اپنا دماغ بالکل خالی محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ دیر یونہی بے مقصد بیڈ پر بیٹھے رہنے کے بعد زینب اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے کی غرض سے باتھ روم کی جانب بڑھ گئیں۔

کچھ لمحات بعد زینب راہداری میں چلتی ہوئی دکھائی دی۔ دو دنوں بعد وہ اپنے گھر کا مکمل جائزہ لینے لگی تھیں کہ ان کی غیر موجودگی میں ملازموں نے اپنا کام صحیح سے کیا بھی تھا یا نہیں؟

چلتے چلتے جب وہ کچن میں آئی تو انہوں نے ایک ملازمہ کو کچن میں کھانا پکاتے ہوئے دیکھا۔

"عزہ کہاں پر ہے؟"

"بیگم صاحبہ، بی بی جی تو صبح سے کمرے میں ہیں۔ ابھی تک باہر ہی نہیں نکلی اپنے کمرے سے!"

ملازمہ کی بات سن کر زینب کا ہاتھ بے اختیار اپنے سر پر گیا۔ صبح عزہ نے انہیں بتایا تھا کہ اس کی طبیعت خراب ہے مگر گھر واپسی پر اتنی تھکن کی وجہ سے وہ ہر بات بھول گئی تھیں۔

وہ کچن سے باہر نکل گئیں اور اب ان کے قدم شایان کے کمرے کی جانب تھے۔ زینب کمرے کے

باہر کھڑی ہو گئیں اور دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔ جب اندر سے کوئی رد عمل نہیں آیا تو زینب کی تشویش

میں اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر آ گئیں۔ کمرے میں ہر سو اندھیرا چھایا ہوا

تھا۔ زینب نے کمرے کی دیوار پر لگے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا اور کمرے کی بتیاں جلائی۔

کمرہ جب دیکھنے کے قابل ہوا تو انہیں بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی عزہ دکھائی دی۔ زینب فوراً عزہ کے پاس آئیں۔

"عزہ! عزہ! بیٹا!"

کوئی بھی رد عمل دیے بغیر عزہ خاموشی سے آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔

زینب نے کندھا ہلا کر اسے اٹھانا چاہا مگر وہ تب بھی نہیں اٹھی۔ زینب عزازہ سے دور ہوئی اور کچھ پل کے لیے اسے تکتی رہی۔ پھر بھاگتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔ کمرے کے راستے کے دوران انہوں نے چیخ کر ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر زینب نے موبائل اٹھایا اور نمبر ڈائل کر کے موبائل کان پر لگایا۔ جیسے ہی دوسری جانب سے کال اٹھائی گئی زینب نے اسے کوئی بات کرنے کا موقع نہیں دیا۔

"شایان جلدی سے ہسپتال پہنچو۔ عزازہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ میں اسے ہسپتال لے کر جا رہی ہوں۔"

زینب نے یہ کہہ کر کال کاٹ دی اور موبائل اپنے پرس پر رکھ کر وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ پیچھے ان کے کمرے کی دیواریں انہیں تب تک تکتی رہی جب تک وہ ان کی نگاہوں سے او جھل نہ ہو گئی۔

شام کے سائے سڑک پر بھی پھیل گئے تھے۔ سڑک کے کناروں پر لگے اسٹریٹ پولز اندھیرا بڑھتے دیکھ کر اپنے بلب جلانے پر مجبور ہو گئے۔ ایسا ہی ایک اسٹریٹ پول بس اسٹاپ کے پاس بھی تھا جس کے بیچ پر وہ بیٹھی ہوئی تھی۔

نگاہیں سڑک کے کناروں ہر جمائے وہ اپنی بس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ لمحات بعد لال رنگ کی بس اس کے سامنے رک گئی۔ وہ آرام سے بس کے سامنے گئی اور اس پر سوار ہو گئی۔

بس میں اپنا راستہ بناتے ہوئے وہ سیٹ کے لیے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی جب ایک مردانہ ہاتھ نے اس کی کلائی پکڑی اور ساتھ موجود اپنی سیٹ پر اسے بٹھایا۔ جائی یانہ اس سے پہلے تھپڑ اس شخص کے منہ پر مارتی، اس شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

جائی یانہ نے ٹھہر کر دیکھا تو یہ شخص کوئی اور نہیں بلکہ زید تھا۔ پینٹ شرٹ پر گھنگھرا لے بالوں کو لاپرواہ سا چھوڑے وہ دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ جائی یانہ کو دیکھا جو ابھی تک حالات پر ہکا بکا تھی۔

"تم! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" جائی یانہ نے دھیمی آواز میں اس سے پوچھا۔

"پبلک ٹرانسپورٹ ہے، کوئی بھی کہیں بھی ہو سکتا ہے۔" اس نے آرام سے اسے بتایا۔

اس کے ہاتھ میں ابھی تک جائی یانہ کی کلائی تھی مگر اس کی گرفت ہلکی ہو چکی تھی جبکہ جائی یانہ کا دوسرا ہاتھ وہ کب کا چھوڑ چکا تھا۔

"میں جانتی ہوں یہ پبلک ٹرانسپورٹ ہے مگر تمہارے پاس تو تمہاری اپنی بانیک ہے ناں؟"

"میرے بازو پر زور پڑ رہا تھا۔ اس لیے ابھی میں اسے نہیں چلا رہا ہوں۔"

"اچھا!" جائی یانہ نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا پھر اچانک سے اسے کچھ یاد آیا۔ "لیکن یہ تو تمہارے

ورکنگ ہاورز ہے ناں، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہیں تو اپنی دوکان پر ہونا چاہیے تھا ناں؟"

"ہونا تو چاہیے تھا مگر جب میرے دوکان کے مالک کو پتہ چلا میرا بازو زخمی ہیں تو اس نے خود ہی مجھے دو دنوں کی چھٹی دے دی۔"

"دو دنوں میں تو تمہارا زخم نہیں بھرے گا!" جائی یانہ کی بات سن کر وہ مسکرایا۔

"اب وہ بیچارا انسانیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دو دن آرام کے دے رہا ہے تو آپ کو کیا مسئلہ ہے؟"

"مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں تو بس ایسے ہی بول رہی تھی۔" جائی یانہ نے اب کی بار بے نیاز انداز اپنایا۔

"اچھا جی!"

اس کے بعد کچھ دیر کے لیے وہ خاموش رہے۔ جائی یانہ اپنے گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھتی رہی جبکہ زید جائی یانہ کے چہرے کو۔

پھر کچھ دیر بعد جائی یانہ گفتگو برائے گفتگو کے لیے بولی۔

"تم ویسے جا کہاں رہے ہو؟"

"میں کہیں سے آ رہا ہوں۔" زید نے تصحیح کی۔

"کہاں سے؟"

"یہ نہ پوچھیں!" زید شرمانے والے انداز میں سر گھما کر اپنی دوسری طرف موجود کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"کیوں نہ پوچھوں؟" جائی یانہ کے ابرو اوپر کو اٹھیں۔

"آپ پوچھیں گی تو مجھے بتانا پڑے گا میں کہاں گیا تھا اور اب میں اپنی بیوی کو بتاتا اچھا تھوڑی لگوں گا کہ میں ایک پیاری سی خوبصورت سی لڑکی سے مل کر آیا ہوں جو بار بار میری تعریف بھی کر رہی تھی اور۔۔۔۔۔"

"اور جو یقیناً اندھی بھی ہوگی!" جائی یانہ نے جلے کٹے انداز میں اس کا جملہ مکمل کیا۔ زید ہنسنے لگ گیا۔

"ایسا تو نہیں کہے میں اتنا پیارا ہوں۔ اس لیے تو آپ کا مجھ پر دل آیا تھا۔"

"تصحیح کرو زید، دل میرا تم پر نہیں بلکہ تمہارا میرے اوپر آیا تھا۔" جائی یانہ نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"ہاں یہ تو ہے، اسی دل کے ہاتھوں مجھے مجبوراً اس غیر لڑکی کا دل توڑ کر آنا پڑا ورنہ اسے دیکھ کر لگ رہا تھا وہ مجھ سے سچا عشق کرتی ہے۔" زید کی باتیں سن کر جائی یانہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

زید نے پیچھے کی طرف ہو کر بیٹھ گیا اور دل پر ہاتھ رکھے ڈرامائی انداز میں کہنے لگا۔

"میں سوچ رہا ہوں اگر اس لڑکی کا عشق واقعی میں میرے لیے سچا ہوا اور اگر اس نے مجھے بد دعا دے دی تو کیا ہوگا۔" جائی یانہ نے اپنا چہرہ ہنوز دوسری جانب رکھا۔ "سوچیں اگر اس نے بد دعا دے دی میری محبوبہ مر جائے اور وہ پوری بھی ہوگئی تو میں تو یقیناً سڑکوں کی خاک چھانتا مجنوں بن جاؤں گا۔"

"زید اپنا منہ بند کرلو ورنہ اس کی بد دعا مجھ پر اثر کرے یا نہ کرے تم ضرور میرے ہاتھوں بن موت مرو گے۔" جائی یانہ نے دھیمی آواز میں غراتے ہوئے کہا۔

زید نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا

"میں نے تو یہ کہا ہی نہیں کہ وہ آپ کو بد دعا دے گی میں نے تو محبوبہ کہا تھا تو آپ یہ مان رہی ہے آپ میری محبوبہ ہے۔"

جائی یانہ نے غصے سے زید کو دیکھا۔

"زید سچ میں تم سے اور جے ٹی سے بات کرنا سر دیوار پر مارنے کے مترادف ہے۔"

جائی یانہ نے چہرے کا رخ دوسری جانب موڑ لیا۔ زید یونہی پیار بھرے انداز میں اسے دیکھتا رہتا اگر اس کا موبائل نہ بجتا۔ اس نے موبائل نکالا تو اسے دو میسج موصول ہوئے ہوئے تھے۔

انہیں پڑھتے پڑھتے اس کے ماتھے پر شکنوں کا جال بچھنے لگا اور کچھ دیر پہلے والی شوخی بالکل زائل ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے موبائل رکھ دیا اور پر سوچ انداز میں کچھ سوچنے لگا۔ اس کی کیفیت سے انجان جائی یانہ ابھی بھی چہرہ دوسری جانب کیے ہوئے تھی۔

ہسپتال کی راہداری پر کھڑی زینب مضطرب سی چکر لگا رہی تھیں۔ وہ بار بار متفکر نگاہوں سے اپنے سامنے موجود کمرے کے دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی جس کے اندر ڈاکٹر، عزاہ کو چیک کر رہی تھی۔

ان کے سامنے کرسی پر بیٹھا شایان بڑے آرام سے موبائل پر لگا ہوا تھا۔ اس کا حلیہ بتاتا تھا وہ آفس سے سیدھا یہاں آیا ہے۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی بھی پریشانی نہیں جھلک رہی تھی۔ وہ بے فکر آرام سے اپنی دنیا میں مست تھا۔

کچھ دیر بعد گلابی یونیفارم پہنے نرس جیسے ہی باہر آئی زینب لپک کر اس کے پاس گئیں۔

"سسٹر! میری بہو تو ٹھیک ہے نا!"

نرس کے چہرے پر شائستہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جی، آپ کی بہو بالکل ٹھیک ہے بلکہ آپ کے لیے تو گڈ نیوز ہے۔"

شایان جو بے توجہی سے نرس کی باتیں سن رہا تھا نرس کی بات سن کر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

"آپ دادی بننے جا رہی ہے!"

شایان شاک سے کھڑا ہو گیا جبکہ زینب بے یقینی سے سر نفی میں ہلانے لگ گئیں۔

"آپ سچ کہہ رہی ہیں؟" زینب کے چہرے پر بے یقینی ہنوز تھی مگر اب ایک مسکراہٹ بھی لبوں پر پھیل گئی تھی۔

"جی! ڈاکٹر صاحبہ نے انہیں چیک کر لیا ہے۔ اب وہ دوائیاں لکھ رہی ہے۔ جب وہ باہر آجائیں تو آپ

لوگ اندر جا کر اپنی مریض سے مل لینا۔ وہ ابھی تک بے ہوش ہے آدھے ایک گھنٹے میں وہ جب

ہوش میں آجائیں گی تو آپ انہیں لے کر جاسکتے ہیں۔"

نرس تمام تفصیلات سنا دینے کے بعد چلی گئی جبکہ زینب خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ وہ شایان کے پاس آگئی۔ وہ اس قدر خوش تھی کہ وہ شایان کے اترے ہوئے چہرے پر بالکل بھی دھیان نہیں دے رہی تھیں۔

"شایان! میں دادی بننے والی ہوں۔ اوہ میرے اللہ! میں نے کتنے سالوں سے اس پل کا انتظار کیا تھا۔ اللہ عزاء کو ہمیشہ خوش رکھے۔ اس نے میری اتنی بڑی خواہش جو پوری کی ہے۔" زینب اپنی رو میں بہت کچھ بولے جا رہی تھیں۔

جب کہ شایان تاریک چہرے کے ساتھ اب اس دروازے کو دیکھ رہا تھا جس کے پار عزاء تھی۔

آسمان اب بالکل تاریک ہو گیا تھا۔ اسلام آباد کے ایک مڈل کلاس فوڈ ریسٹوران میں اس وقت معمول کے مطابق ہی چہل پہل تھی۔ ایسے میں زید اس ریسٹوران کی ایگزٹ سے نکلتا دکھائی دے گا۔ وہ یہاں ایک شخص سے ملنے آیا تھا۔ زید کے چہرے کے تاثرات بتاتے تھے یہ ملاقات اتنی خوشگوار نہیں تھی لیکن ابھی اس شخص اور ملاقات کو چھوڑ کر ہم آگے بڑھتے ہیں تو زید اب ریسٹوران کے سامنے والی سڑک پر چلنے لگ گیا تھا۔

کچھ دور جانے پر اس نے یونہی عام سے انداز میں سڑک کے کنارے پر نظر ڈالی تو اسے ایک عورت چادر لپیٹے بیٹھی ہوئی دکھائی دی۔ زید نے نظر ہٹالی مگر جیسے ہی اس عورت کے چہرے کو زید کے دماغ

نے تلاش تو اس کے پاؤں ایک دم رک گئے۔ اس نے دوبارہ پیچھے مڑ کر کچھ دور بیٹھی اس عورت کو دیکھا۔

زید بالکل مڑ گیا اور بھاگتے ہوئے اس عورت کے پاس پہنچ گیا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا اور عورت کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

"کیا ہوا ہے عائشہ؟ یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" سڑک کے کنارے اپنی بہن کو یوں دیکھ کر زید کے دل میں ہزاروں قسم کے دوسوے سر اٹھانے لگ گئے۔

عائشہ نے نظریں اٹھا کر اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔ عائشہ کی آنکھیں زیادہ رونے کی وجہ سے سرخ اور سوج چکی تھیں۔ اس نے زید کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا بس یونہی سسکیاں بھرتی رہی۔

"عائشہ خدا کے لیے کچھ تو بتاؤ آخر ہوا کیا ہے؟" زید نے اسے ہنوز چپ دیکھا تو اس بار مزید بے چینی سے پوچھا۔

عائشہ نے گیلی سانس اندر بھری اور اپنے ہاتھ میں پکڑے موبائل کی اسکرین جلائی اور اس پر انگلیاں مار کر اسکرین زید کے سامنے کر دی۔ زید نے غور سے اسے دیکھا تو اسے اسکرین پر ایک تصویر دکھائی دے رہی تھی۔

تصویر کسی شادی کے فنکشن کی تھی اور دولہا دلہن صوفے پر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ دلہا، دلہن کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا جسے سن کر وہ ہنس رہی تھی۔ زید نے ذرا غور سے دولہے کا چہرہ دیکھا تو اسے کچھ شناسا لگا۔ پھر اس نے مزید غور کیا تو اسے ایک دم یاد آیا یہ تو عیسیٰ تھا۔

عیسیٰ نے شادی کر لی ہے!

اسے بے اختیار عیسیٰ کے ساتھ بیٹھی اس لڑکی پر ترس آیا۔ پتہ نہیں وہ بے چاری جانتی بھی تھی کہ اس سے شادی سے پہلے عیسیٰ دو لڑکیوں کی زندگی برباد کر چکا تھا۔

زید نے عائشہ کے موبائل والا ہاتھ آرام سے نیچے کیا۔

"تمہیں کہاں ملی یہ تصاویر؟" زید نے دھیمے انداز میں پوچھا۔

"Blessed with best!"

عائشہ نے رندھی آواز میں کہا۔

زید کچھ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس بات کا کیا مطلب؟ عائشہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولنے لگی۔

"میری زندگی میں آکر، اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر، مجھ سے نکاح کر کے آج یہ شخص کسی اور لڑکی کو زندگی میں لا کر کیسے لکھ سکتا ہے ایسا کیپشن؟"

وہ دھاڑے مار مار کر رونے لگ گئی۔ زید نے اسے چپ نہیں کروایا بلکہ بڑے آرام سے روتی ہوئی عائشہ کو اپنے کندھے سے لگا لیا۔ عائشہ اپنے دل میں موجود غبار آج نکال دینا چاہتی تھی۔

"مجھے کس کس نے نہیں روکا تھا مگر میں! میں اس وقت بہری ہو گئی تھی۔ ہر نصیحت مجھے بری لگنے لگ گئی۔ تم نے بھی مجھے کتنا روکا، مجھے کہا کہ ایسا نہ کروں مگر میں نے تو اس محبت کو ضد بنا لیا۔ میں پاگل ہو گئی تھی!"

عائشہ روتے ہوئے اعتراف کر رہی تھی۔ زید کی آنکھیں اسے یوں روتے دیکھ نم ہو گئیں۔

"عائشہ صرف تمہارا ہی قصور نہیں تھا۔ میں بھی قصور وار تھا۔ ضد اگر تم نے باندھی تھی تو میں بھی اسی ضد کا شکار تھا۔ تم جانتی ہو ہم مرد اپنی عورتوں سے بہت محبت کرتے ہیں، پھر چاہے اس عورت سے ہمارا کیسا ہی رشتہ ہو، ہمارے لیے وہ عورت بہت قیمتی ہوتی ہے۔ کوئی بھی شخص اپنی قیمتی شے کو کسی ناقدرے انسان کے پاس برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا میری بہن کسی ایسے شخص سے ملے جو مجھے ناپسند ہو۔ عیسیٰ سے پہلی ملاقات میں ہی کچھ عجیب سی وابز آنے لگی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا تم اس شخص کے ساتھ اپنی زندگی کا ایک اہم موڑ موڑوں مگر میں نے بجائے تمہیں پیار سے یہ سب سمجھانے کے غصے اور ڈانٹنے سے سمجھایا۔ مجھے لگ رہا تھا میرا غصہ اور ناراضگی دیکھ کر تم میری بات مان جاؤ گی۔ اگر ہم گھر کے مرد اپنی گھر کی عورتوں کو پیار سے سمجھائے تو مجھے یقین ہے وہ سمجھ جائیں گی۔" وہ ایک پل کے لیے ٹھہرا۔

"وقت شاید اس وقت ہم دونوں کا خراب تھا ورنہ شاید تم میرے غصے کی وجہ آرام سے جان لیتی اور مجھے اپنا دشمن نہیں سمجھتی!"

عائشہ نے اپنے گیلے گالوں کو ہاتھ کی مدد سے صاف کرنا چاہا۔

"بھائی جان کی خود غرضی اور بے رخی نے میرا اعتبار ہر چیز سے اٹھا دیا ہے۔ اس وقت جب تم مجھے عیسیٰ سے شادی سے روک رہے تھے تو مجھے لگ رہا تھا شاید تم بھی بھائی جان جیسے ہو گئے ہو اور ان ہی کی طرح تمہیں بس اپنی عزت کی پروا ہے۔ میرے احساسات اور جذبات تمہارے لیے بے معنی ہو گئے ہیں۔ ہم انسان ماضی سے ملنے والے سبق کو بعض اوقات غلط انسان پر لاگو کر بیٹھتے ہیں۔"

"خیر جو ہوا سو ہوا چلو اب میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔" زید نے عائشہ کا کندھا تھام کر اسے کھڑا کیا۔ عائشہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنے گال صاف کیے اور ادھر ادھر دیکھا جبکہ زید نے اس کے کندھے پر لٹکتی چادر کو بڑے آرام سے اس کے سر پر کیا پھر اچھے سے شانوں میں لپیٹ دیا۔ پھر وہ دونوں چہل قدمی کرنے والے انداز میں چلنے لگ گئے۔

راستے میں ایک جگہ زید کے ذہن میں ایک سوال آیا تو اس نے فوراً پوچھا۔

"عائشہ تم نے عیسیٰ سے طلاق نہیں لی؟"

عائشہ نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں مجھے لگتا تھا شاید وہ واپس آ کر مجھ سے معافی مانگیں گا۔ میں کب سے اسی انتظار میں تھی مگر تھینکس ٹو انسٹاگرام! دور بیٹھے انسان کی زندگی میں کیا ہو رہا ہے اور وہ کسی کو چھوڑ کر کتنا آگے بڑھ چکا ہے یہ سب بتا دیتا ہے سوشل میڈیا۔"

زید اس سے اور بھی بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر وہ یہ بات جانتا تھا عیسیٰ کا موضوع اس وقت اسے تکلیف دے رہا ہے اس لیے خاموش ہو گیا۔

لیمپ سے نکلتی پہلی روشنی بیڈ روم کو روشن کیے ہوئے تھے۔ کمرے کے وسط میں رکھے بیڈ روم پر وہ نیم دراز لیٹی ہوئی تھی۔ وہ کب سے سامنے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔ پھپھونے اس کی

پریگننسی کی خبر اسے ہوش آتے ساتھ ہی دے دی تھی۔ پھپھو کافی پر جوش دکھائی دے رہی تھی مگر!

شایان کا رویہ پھپھو سے بالکل متضاد تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا اسے یہ خبر جان کر کوئی خوشی نہیں ہوئی ہے۔ ہسپتال سے گھر آنے تک شایان اور وہ بالکل خاموش رہے تھے۔ اگر کوئی بولا تھا تو وہ پھپھو ہی تھیں جو اس بچے کو لے کر مستقبل کی منصوبہ بندی کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ ان دونوں سے تبصرہ بھی مانگ رہی تھیں۔

وہ دونوں بس ان کی باتیں سن کر سر اثبات میں ہلا رہے تھے۔ اصل بات تو یہ تھی وہ دونوں ہی اتنی بڑی خبر کے لیے تیار نہ تھے۔ ان دونوں نے ابھی تک اس بارے میں تو بالکل بھی نہیں سوچا تھا۔ عزاء اور زینب کو گھر چھوڑ کر شایان زینب کی ہدایات کے مطابق برے دل کے ساتھ صدقہ و خیرات کرنے چلا گیا تھا۔ اس کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

عزاء کل ہی جائی یا نہ سے مل کر آئی تھی۔ ان دونوں نے کل ہی اپنی بڑی بہن کو بچانے کا عزم لیا تھا۔ کیا ان حالات میں عزاء اپنا یہ عزم پورا کر پائے گی؟

عزاء آرام سے اٹھی اور وارڈروب کی جانب بڑھی۔ اپنے کپڑوں کی الماری کھول کر اس نے اپنا ہاتھ کپڑوں کے انبار میں اندر گھسایا۔ کافی دیر ہاتھ ادھر ادھر مار کر اس نے ایک چھوٹا سا موبائل باہر نکالا۔ وہ ایک چھوٹا سا کی پیڈ موبائل تھا۔ اورنج کلر کی چمکتی باڈی کے ساتھ وہ نیا لگتا تھا۔ عزاء نے موبائل کو آن کیا۔

آن ہونے کے بعد عزاء ایس ایم ایس کے آپشن پر گئی اور ایک نمبر پر یہ میسج لکھ کر سینڈ کیا۔

"جائی یانہ! یہ میرا نمبر ہے۔ میں اسی سے تم سے رابطہ کیا کروں گی۔ جب بھی بات کرنی ہوگی میں ہی تمہیں کال کروں گی۔ تم نے کبھی بھی خود سے کال نہیں کرنی ہے۔ سمجھ گئی؟"

عزاء نے میسج بھیج کر تھوڑی دیر انتظار کیا۔ کچھ دیر بعد اسے میسج موصول ہوا۔

"اوکے، سمجھ گئی!"

عزاء نے ایک گہرا سانس باہر نکالا اور موبائل احتیاط کے ساتھ کپڑوں کے اندر دبا دیا۔

یہ موبائل اس نے کل جائی یانہ کے ہاسٹل سے ہسپتال آتے ہوئے راستے میں لیا تھا۔ اس میں اس نے اپنی پرانی سم ہی ڈال دی تھی۔ اب وہ جائی یانہ سے رابطہ آرام سے رکھ سکتی تھی لیکن اسے احتیاط بھی بہت کرنی تھی۔ اگر شایان کو پتہ چل گیا اس نے خفیہ موبائل اپنے پاس رکھا ہوا ہے تو یقیناً شایان اس کا غلط مطلب نکال سکتا تھا اور جو پھر ہونا تھا اس کا عزاء تصور بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

عزاء آرام سے قدم اٹھاتی واپس کمرے میں آگئی۔ وہ بیڈ کی طرف بڑھ رہی تھی جب دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو شایان کمرے میں آیا۔ اس کا چہرہ صاف صاف بتا رہا تھا شایان اس وقت بہت برے موڈ میں ہیں۔ عزاء نے چہرہ موڑ لیا اور چپ چاپ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ شایان نے بھی کچھ نہیں کہا اور سارے بلب بند کر کے وہ بیڈ پر دھڑام سے گر گیا۔

اس نے عزاء سے جان بوجھ کر نگاہیں نہیں ملائی تھیں۔ عزاء شایان کے اس ری ایکشن کو سمجھنے سے بالکل قاصر تھی۔

اسی اندھیری رات میں زینب کے گھر سے دور ایک اور گھر ایسا ہی تھا جہاں پر سنہری آنکھیں اپنی قید پر ماتم بھر رہی تھیں۔

اس کمرے کی چار دیواروں میں قید یہ آنکھیں کھلے آسمان کو دیکھنے کے لیے ترس گئی تھیں۔ دھوپ کی گرمی اس کے جسم سے بہت دور تھی۔ کھلی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر ہی واپس گزر جایا کرتے تھے۔

سنہری آنکھوں والی لڑکی اس وقت زمین پر کچھ اس طرح بیٹھی تھی کہ اس کا سر بیڈ کے گدے پر ٹکا ہوا تھا۔

وہ اداس سی کمرے کی دیواروں کو باری باری بے دھیانی میں تک رہی تھی۔ وہ کتنے دنوں سے اس جگہ بند تھی۔ اس نے حساب نہیں لگایا تھا۔ شاید ہفتہ ہو گیا، شاید مہینہ یا پھر سال ہی گزر گیا ہو۔

وقت کی لگام اب اس کے ہاتھوں میں نہ تھی۔ آزادی ہی اسے اس قید سے آزاد کروا کر دوبارہ وقت کی لگامیں پکڑا سکتی تھی مگر کیا اب اس کو یقین بھی رہا تھا کہ وہ آزاد ہو پائے گی؟

اس نے ڈاکیومنٹری میں جس طرح مسلمانوں کو آزادی کے لیے کوششیں کرتے دیکھا تھا وہ تو اس میں سے کچھ بھی نہیں کر رہی تھی۔ وہ تو بس ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوئی تھی۔ آزادی حاصل کر کے ویسے وہ کیا کر سکتی تھی؟

کچھ بھی تو نہیں!

اس کے گھر والے اب تک تو اس سے بری طرح بد ظن ہو چکے ہونگے بلکہ اپنی زندگی کی مصروفیات میں وہ تو اسے بھول بھی چکے ہونگے۔ انہیں تو اب یاد بھی آتا ہوگا کہ ان کے درمیان عالیہ کبھی ہوا بھی کرتی تھی اور اگر بھولے سے تذکرہ چھڑ بھی جاتا ہو تو جو کچھ وہ ان کے ساتھ کر کے گئی تھی اس کے بعد اپنی یاد میں اچھے الفاظ کہاں ملتے ہونگے اسے؟

وہ تو اپنی بہنوں اور ماں باپ کی زندگیاں مزید اجیرن کر کے آگئی تھی۔ شاید اب تو وہ سب ہی اسے بد دعائیں دیتے ہوں اور وہ تو ان بد دعاؤں کی ہی حقدار تھی!

شاید اب وہ کبھی بھی اس گھر سے نکل نہیں پائے گی۔ شاید یہ لوگ اسے مار کر ہی دم لیں گے۔ اپنی منفی سوچوں میں ڈوبی عالیہ اس بات سے انجان تھی کہ اس قید سے باہر اس کو یہاں سے نکالنے کی تحریک اس کی دونوں بہنوں نے گرم کر لی تھی۔

سڑک پر ٹریفک کے درمیان سے ڈرائیور مہارت گاڑی گزار رہا تھا۔ اس نے گاڑی سڑک پر موڑ کر ایک گلی میں کردی۔ دکھنے سے ہی پتہ چلتا تھا اس محلے میں سفید پوش لوگوں کا راج تھا۔ گلی کی چوڑائی زیادہ تھی اس لیے گاڑی گلی میں چلانے میں ڈرائیور کو کوئی مشکل نہیں پیش آرہی تھی۔ ڈرائیور نے گاڑی ایک مکان کے سامنے روک دی۔ ڈرائیور پھر گاڑی سے اترا اور پیچھے کی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

ایک عورت گاڑی سے باہر نکلی اور ادھر ادھر سر گھما کر پورے محلے کا جائزہ لینے لگ گئی۔

"زینب کا میری طرف سے شکریہ ادا کر دینا۔ اس نے تمہیں گاڑی ڈرائیو کرنے کے لیے میرے پاس بھیج کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔"

ڈرائیور نے سر تابع داری سے اثبات میں ہلایا مگر وہ عورت اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا اس علاقے میں آکر وہ کسی سحر میں کھو گئی تھی۔

"تم گھر چلے جاؤ۔ مجھے دیر لگ جائے گی۔ جب بلانا ہوا تمہیں کال کر دوں گی۔" کھوئے ہوئے لہجے میں کہہ کر نوال آگے بڑھ گئی۔ پیچھے کھڑا ڈرائیور اس عورت کو دیکھتا رہ گیا۔

نوال اس گھر کے پرانے اور بوسیدہ دروازے کے سامنے کھڑی ہو گئی جس پر زنگ آلود تالا لگا ہوا تھا۔ نوال نے اپنے پرس میں ہاتھ مارا اور چابی اس سے برآمد کی۔ چابی والے ہاتھ سے اس نے دروازے کا تالہ کھولنا چاہا تو نوال کو اپنا ہاتھ کانپتا ہوا محسوس ہوا۔

نوال نے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد تالا کھولا اور اندر آگئی۔ گھر کے اندر قدم رکھتے ہی نوال کو اپنا آپ ماضی میں جاتا محسوس ہوا۔

انہوں نے دوسرا قدم بڑھایا تو ایک دم انہیں دائیں طرف سے اپنی ماں کی آواز سنائی دی۔

"نوال! تم نے صحن کی صحیح سے جھاڑو بھی نہیں ماری۔ جانے تمہیں کب کام کرنا آئے گا۔"

نوال نے مڑ کر آواز کی سمت میں دیکھنا چاہا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

"صحیح سے تو لگائی ہے۔ آپ تو یونہی میرے کاموں میں نقص نکالتی ہیں۔" نوال یہ آواز سن کر اداس سا مسکرا دی۔ یہ ان کی اپنی آواز تھی جو تیس سال پرانی معلوم ہوتی تھی۔

وہ صحن میں قدم قدم چلتے ہوئے کمروں تک آئی۔

"دیکھیں نا ابو! میں اتنے کام کرتی ہوں پھر بھی اماں کو سمجھ نہیں آتے ہیں۔ کہتی ہیں مجھ سے کچھ نہیں ہوتا۔"

"میری بڑی بیٹی میری جان ہے مریم بیگم! اس سے اتنے کام نہ کروایا کریں۔"

"ہانی! تم میری فراک اتار دو ورنہ تمہاری آج خیر نہیں!"

"میں نے آپ جیسی عورت سے نکاح مجبوراً کیا ہے ورنہ میں آپ جیسی عورتوں کو نکاح جیسی پاک چیز کے لائق بھی نہیں سمجھتا ہوں۔"

"ابو وہ بہت اچھا ہے۔ میرا یقین مانے رونی میں کوئی برائی۔۔۔"

"میں نے تم سے کبھی پیار نہیں کیا تھا نوال!"

نوال کو ایسے لگنے لگا صحن میں لاکھوں آوازیں گونج رہی تھی۔ مختلف وقت، مختلف صورتحال اور مختلف لوگوں کی کہیں ہوئی باتیں آج آواز کے شور میں گڈ مڈ ہو رہی تھیں۔

نوال نے اسی آواز کے شور میں سرسرا سا نچلی منزل کا جائزہ لیا جہاں پر ٹوٹے پھوٹے سامان اور دھول مٹی کے علاوہ اب کچھ نہیں پایا جاسکتا تھا۔ ایک وقت تھا جب یہ گھر کتنا آباد ہوا کرتا تھا!

پھر نوال نے اپنے قدم سیڑھیوں کے جانب کیے اور پھر وہ عین ان زینوں کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ نوال کی دل دھڑکنے اب گڈ مڈ ہونے لگ گئی تھیں۔

وہ دل کو بمشکل قابو کیے اوپر جانے لگ گئیں۔ پہلا زینہ چڑھتے ہی انہیں رونی کا چہرہ یاد آیا۔ نوال نے اسی حالت میں دوسرا زینہ چڑھا تو انہیں رونی سے پہلی ملاقات یاد آئی۔ اسی حالت میں وہ سیڑھیاں چڑھ گئیں۔ چھت پر پہنچ کر وہ چھت کی دیوار کے پاس آئی۔

اسی دیوار کے پاس جہاں سے وہ ہمیشہ کود کر دوسرے کی چھتوں سے اس چھت پر آتا تھا۔

نوال اس دیوار کو چھونے لگ گئی۔ ادھوری محبت کا روگ، پچھتاوا، اداسی کیا کچھ نہیں تھا ان کے دل میں !

دیوار چھوتے ہوئے انہیں رونی کو بھیجا اپنا پہلا خط آیا جب انہوں نے پہلی بار رونی کو اس چھت پر بلایا تھا۔ نوال کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہ اس وقت کتنی بیوقوف تھی۔ سمجھدار تو خیر وہ ابھی بھی خود کو نہیں مانتی تھیں!

نوال دیوار کے پاس سے ہٹی اور چھت پر بجھی چارپائی پر آکر بیٹھ گئیں۔ آج وہ تہیہ کر کے آئی تھی آج کا سارا دن، اپنی ادھوری محبت کی یاد میں منائیں گی۔ ان یادوں میں جو ان کی زندگی کی سب تلخ یادیں تھیں۔ ان یادوں میں جس نے ان کی زندگی خراب کی تھی۔

آج کا دن محبت کے نام!

ادھوری محبت کے نام!

آسمان میں ہر سو اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کراچی کے اس علاقے میں بھی خاموشی اور اندھیرے نے اپنا بسیرا کیا ہوا تھا جس میں موجود گھر ہماری کہانی کا حصہ بنے جا رہا تھا۔

اس گھر میں قدم رکھو تو وہاں پر اس قدر خاموشی تھی کہ سوئی کے گرنے کی آواز بھی گونجنے کا خدشہ تھا۔

ایسے میں ایک عورت بڑے سے بیڈ پر اپنے دونوں کوچوں کو لیے سو رہی تھی۔

وہ کچھ اس طرح سوئے ہوئے تھے کہ ماں درمیان میں تھی جبکہ اس کے ایک طرف چھ سات سالہ بچی اور اس اس کی دوسری طرف دس سالہ لڑکا!

گہری نیند میں وہ سب سو رہے تھے جب عورت کی نیند میں خلل ہلکی سی چرچراہٹ نے کی۔ وہ آواز دروازے کی چرچراہٹ کی تھی مگر یہ اس کمرے کے دروازے کی نہیں بلکہ ساتھ والے کمرے سے آتی محسوس ہوتی تھی۔ عورت اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ بہت دیر تک اس نے کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ وہ بس یونہی بیٹھی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد وہ اپنا وہم سمجھ کر دوبارہ لیٹنے لگی تو اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

وہ عورت اب حقیقی معنوں میں گھبرا گئی تھی۔ اس نے پہلے اپنے ارد گرد لیٹے اپنے دونوں بچوں کو دیکھا پھر بہت احتیاط سے بیڈ پر سے اٹھ گئی۔ اس نے آہستہ آہستہ قدم بڑھائے اور دروازے تک جاتے ہوئے اس نے پاس پڑا گلدان بھی ساتھ میں اٹھا لیا۔ وہ محتاط انداز میں دروازے کے پاس کھڑی ہو گئی اور دونوں ہاتھوں سے پکڑا گلدان اپنے سر تک اٹھا لیا۔

باہر سے قدموں کی آہٹ قریب آتی جا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ!

پھر اس عورت کو کوئی دروازے کے عین دوسری جانب کھڑا محسوس ہوا اور پھر اچانک سے دروازہ کھل گیا۔

عورت نے فوراً سے گلدن سر پر مارنا چاہا مگر مقابل نے فوراً سے خطرہ بھانپ کر عورت کا وار ناکام بنا دیا۔

خوف گھبراہٹ کی وجہ اس عورت کی گلدن پر گرفت ہلکی ہی تھی۔ اس کا مقابل نے فائدہ اٹھاتے ہوئے گلدن اس عورت کے ہاتھوں سے لے لیا۔ عورت نے جب اپنے سامنے دیکھا تو اسے ایک ہیولا ہی دکھائی دیا لیکن شاید مقابل نے سامنے والی عورت میں کچھ دیکھ لیا تھا۔ دروازے کے ساتھ لگے سوئچ بورڈ پر اس آدمی نے ہاتھ مارا تو پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا۔

روشنی کی وجہ سے عورت کی سیاہ آنکھیں چندھیا گئیں۔ وہ کچھ پل کے لیے کچھ بھی دیکھنے کے لیے قاصر تھی جبکہ بیڈ پر لیٹے دونوں بچے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ جب عورت کی آنکھیں روشنی کی عادی ہوئی تو اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اس کی ہارٹ بیٹ مس ہو گئی۔

جبکہ سامنے کھڑا شخص بھی حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

دونوں بچے ہونقوں کی طرح اپنی ماں اور سامنے کھڑے اس شخص کو دیکھ رہے تھے۔ چھوٹی بچی نے ڈر کے مارے اپنا ہاتھ اپنے بڑے بھائی کے کندھے پر رکھ دیا تھا جبکہ اس کا بھائی بس اپنی ماں کو ہی دیکھے جا رہا تھا۔

کچھ پل کے لیے وہ سب یونہی ساکن رہے اور پھر اس شخص کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنا پہلا قدم عورت کی جانب بڑھایا۔

"زینب!" اس نے بڑے پیار سے یہ نام ادا کیا جبکہ زینب کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگ گئے تھے۔

بوسیدہ قمیض کا کھلا گریبان، گردن پر لٹکی چاندی کی چین، اپنا وہی حلیہ لیے رونی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

رونی نے اپنا دوسرا قدم زینب کی جانب بڑھایا۔ زینب بے اختیار پیچھے کو ہٹی۔

لیکن رونی نے ہاتھ بڑھا کر زینب کے کندھوں کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اب زینب رونی کی گرفت میں قید تھی۔

"بہت سالوں انتظار کروانے کے بعد آخر کار تم مجھے مل ہی گئی زینب!"

اس کے بچے غور سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"اس گھر چوری کرنے گھسا تھا مجھے کیا پتہ تھا یہاں پر اتنا بڑا ہیرا مل جائے گا۔"

اس کے چہرے کے تاثرات زینب کا خون نچوڑ رہے تھے۔

ایک ٹریجڈی جو اس کے خاندان میں سات سال پہلے گزری تھی اب دوبارہ ایک نئی ٹریجڈی آن پہنچی تھی۔

یہ ٹریجڈی سالوں تک اس گھر کے تینوں مکینوں کے ساتھ رہنے والی تھی اور یہی سے شروع ہونے والا تھا ایک بہت بڑا بگاڑ!

(باقی آئندہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ---

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَحِبَّابُ-----"

ناولز کی دنیا کے ناولز میں خوش آمدید ---- "

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے ---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپ کی تحریر پوسٹ ہو جائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

NOVELS KI DUNIYA (WEB, FB Page, FB Group, Insta Pg, Youtube Channel)

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو)

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے ان سب کے۔۔

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں۔۔۔

شکریہ۔۔۔۔۔